تحریک اسلامی کے عالمی اثرات

خلیل احمد الحامدی

مرکزی
مکتبہ اسلامی
دہلی

مطبوعات اشاعتِ اسلام ٹرسٹ - ۱۰۹۳

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ
© اشاعت اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) دہلی

نام کتاب : تحریکِ اسلامی کے عالمی اثرات
مصنف : خلیل احمد الحامدی
ناشر : مرکزی مکتبہ اسلامی، ۱۳۵۳ چتلی قبر دہلی ۶
صفحات : ۲۲۴
اشاعت :
طبع اوّل : ستمبر ۱۹۹۴ء - ۱۰۰۰

قیمت : -/۳۲ روپے

مطبوعہ
تھرآفسٹ پرنٹرز، نئی دہلی

2000 - دہلی

فہرست

حرفے چند	۷
پیش لفظ	۹
۱—— تقدیر الرجال، لاتقدیس الرجال	۱۱
۲—— تحریک اسلامی کے عالمی اثرات	۱۷
فکری اثرات	۲۲
فقہی اثرات	۲۶
۱- عورت کا پردہ ۲- ذبیحہ اہل کتاب ۳- تحدید نسل ۴- سود ۵- رویت ہلال ۶- قادیانیت	۳۲-۲۷
تحریکی اثرات	۳۷
مضبوط تنظیم، شورائیت	۴۱ - ۴۰
اصلاحی اثرات	۴۲
۳—— تحریک اسلامی دنیائے اسلام میں	۴۹
مصر	۵۱
شدید جرائم کے لیے ؛ ، خفیف جرائم کے لیے : ۱- مرتد کی سزا ۲- قصاص کی سزا ۳- زنا کی سزا ۴- قذف کی سزا ۵- چوری کی سزا ۶- ڈکیتی کی سزا ۷- شراب نوشی کی سزا	۵۸-۵۷
سعودی عرب	۶۱
ترکی	۶۵
ترکی میں اسلام کے علمبردار کے تین عناصر ہیں : ۱- یونیورسٹیوں کے طلبہ کی ایک مضبوط جماعت ۲- طلبۂ نور	

۳ - ملی سلامت پارٹی ۶۶-۶۵

۴ — اسلام غالب آئے گا ۷۱

بیسویں صدی کا اختتام ، انسانی تاریخ کی مدوجزر ،
آج بھی انسانیت ایک ہمہ گیر تبدیلی کے لیے بے تاب ہے ،
انسانیت آسمانی ہدایت کی تلاش میں ہے ، تبدیلی کا اصول ،
سابقہ تبدیلیوں اور موجودہ تبدیلی کا تناسب ، نیکیوں کا موسم ،
نیکیوں کی قیمت نوعیت کے لحاظ سے ، زوال پزیر نظریات ،
انسانیت کا واحد نجات دہندہ ، غلبۂ اسلام کا آغاز ہو چکا ہے ،
تحریک اسلامی کے کارکنوں کا فریضہ ، ۹۰-۷۳

۵ — جماعت اسلامی کی دستوری جدّوجہد اور عالمِ اسلام پر اس کے اثرات ۹۳

۱۔ مصر
اسلامی دستور کے مطالبے کی تاریخ ۹۹
صدائے بازگشت ، عہد نجیب میں دستور کمیٹی کی تشکیل ، تعارف دستور
میں ہمارے ارباب اختیار کا حصہ ، متضاد موقف ، دستوری مہم
کے حقیقی اثرات ۔ ۱۰۸-۱۰۰

۲۔ شام
اسلامی دستور ، ایک دلچسپ بحث ، دستوری مضامین کا ظہور ،
لادینیت کی تاریخ ، مصری دستور پر شامی علماء کے تبصرے ۔ ۱۱۵-۱۰۹

۳۔ سعودی عرب موجودہ حالات ، دستور ساز کمیٹی کی تشکیل ، ایک تحفہ ، ۱۱۷-۱۱۶

۴۔ انڈونیشیا مطالبۂ دستور کی تاریخ ، انڈونیشیا میں جماعت اسلامی کے اثرات ،
انڈونیشیا میں پائے جانے والے تین دستوری نظریے ، ڈاکٹر ناصر
کی دستوری تقریر ۔ ۱۲۱-۱۱۷

۵۔ سوڈان دستوری مہم کی ابتداء ، سوڈان کا مسلمان ، پاکستان کے اثرات ،
اسلامی محاذ ، ہمارا مطالبہ اسلامی دستور ، عذرات اور ان کا جواب ۱۲۸-۱۲۲

۶۔ شمالی افریقہ ۱۳۲
مراکش میں اسلامی اثرات کا جائزہ ، ملک گیر کانفرنس میں اسلامی
دستور کا مطالبہ ، دستور ، تعلیم ، مراکش کا نیا دستور ۔ ۱۳۶-۱۳۳

۷۔ نائیجیریا ۱۳۸

۸۔ پاکستان ۱۳۸

۶ — عالمی اثرات کی چند کرنیں ۱۳۹

۷ — موریطانیہ کا مولانا مودودیؒ کو خراجِ عقیدت ۱۵۵

فقیدِ اسلام مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی وفات حسرت آیات کے موقع پر ۱۵۶

۸ — اسلامی بنکوں کی عالمی تحریک ۱۶۱

اسلامی بنکوں کے قیام اور ان کے مستقبل کا ایک جائزہ ۱۶۳
پہلا تجربہ ، تین مزید غیر سودی بنک ، سوڈانی بنک کا پس منظر ،
حوصلہ افزا نتائج ، کویت کا اسلامی بنک ، اردن کا اسلامی بنک ،
بحرین کا اسلامی بنک ، پاکستان کے بنکوں میں غیر سودی کاؤنٹر ،
مزید ترقی ، اسلامی بنکوں کا بنیادی نظریہ ، اسلامی بنکوں کا وفاق ،
کامیابی کی تین بنیادیں ۔ ۱۷۸-۱۶۴

۹ — جماعت اسلامی کا لٹریچر دنیا کی مختلف زبانوں میں ۱۸۱

مسلم ممالک کی زبانیں ۱۸۳
عربی ، فارسی ، پشتو ، ترکی زبان ، ملائی ، انڈونیشیا کی زبان ،
صومالی ، لمورو زبان ، کردی ، مالدیپی ۔ ۱۹۳-۱۸۳

پاکستانی زبانیں ۱۹۳
اردو ، سندھی ، پشتو ، بلوچی ۔ بنگالی (بنگلہ دیش اور مغربی
بنگال کی زبان) ۔ بھارت کی زبانیں ؛ نیپالی ؛ ۱۹۹-۱۹۳

افریقہ کی زبانیں ۲۰۰
ہاوسا ، یوروبا ، فولانی ، ایوی ، گا ، فانتی ، اشانتی ،
افریکانز ، انزیما ، شیشوا ، شونا ، زولو ، سواحلی زبان ،
اردمو ، سواحلی زبان ، لوگنڈہ : (یوگنڈہ کی زبان) ۲۰۵-۲۰۰

جنوب مشرقی ممالک کی زبانیں ۲۰۷
جاپانی ، کوریا کی زبان ، تگالو ، مارانا ؤ : (جنوبی فلپائن کی زبان)

تھائی ، ویت نامی زبان ، خمر (کمبوچیا کی زبان)، ٹامل (سری لنکا کی زبان)، سنہالی : (سری لنکا کی سرکاری زبان) ۲۰۷-۲۱۲

یورپ کی زبانیں ۲۱۲

انگریزی ، فرانسیسی ، جرمن ، اطالوی (اٹلی کی زبان) ، اسپین کی زبان ، پرتگالی ، ڈنمارک کی زبان ، ناروے کی زبان، سویڈن کی زبان ، فلش : (فن لینڈ کی زبان)، ڈچ ، البانیہ کی زبان ، یوگوسلاویہ کی زبان ، ہنگری کی زبان ، روسی زبان، چینی زبان ، اویغوری زبان ، تبتی ، فجین (فجی آئی لینڈ کی زبان) ۲۱۲-۲۲۴

حرفِ چند

زیر نظر کتاب "تحریک اسلامی کے عالمی اثرات" عالم اسلام کے معروف عالم دین محترم مولانا خلیل احمد الحامدی کی معرکہ آرا تالیف ہے۔ اس کتاب پر تمام اسلام پسند حلقوں کو فخر کرنا چاہیے۔

"تحریکِ اسلامی کے عالمی اثرات" میں فاضل مولّف نے بڑی تفصیل کے ساتھ ان اثرات و نقوش کو اجاگر کیا ہے، جو اسلام کے تعلق سے پوری دنیا میں پائے جا رہے ہیں۔ بہ بجا طور پر ان اثرات و نقوش کو تحریکِ اسلامی کی جد و جہد کا نتیجہ کہا جانا چاہیے۔

مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی مولّف کتاب محترم مولانا خلیل احمد الحامدی کا تہِ دل سے شکر گزار ہے کہ انہوں نے اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی۔

رفیقِ محترم جناب پرواز رحمانی ایڈیٹر سہ روزہ دعوت نئی دہلی ۲۵ر بھی ہمارے شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے کتاب کے بعض حصوں پر تنقیدی نگاہ ڈالی اور حسب ضرورت ہنگری زبان، روسی زبان اور چینی زبان کے تعلق سے اپنے معلومات افزا حواشی کا اضافہ کیا۔

آخر میں ہم اللہ تعالٰے کا بھی شکر بجالاتے ہیں کہ اس نے ہمیں ایک مفید اور وقیع کتاب شائع کرنے کی توفیق بخشی۔

والسلام

(ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

پچھلی نصف صدی میں مفکر اسلام مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی قائم کردہ تحریک اسلامی نے دنیا پر غیر محدود اثرات ڈالے ہیں۔ اور ابھی تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری ہے جس طرح بارش برسنے کے بعد زمین کے اندر رُوئیدگی اور زندگی کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ رُوئیدگی اور زندگی زمین کی نوعیت پر مبنی ہوتی ہے۔ زمین کے بعض حصّے ایسے ہوتے ہیں جو پانی کو خوب جذب کر لیتے ہیں اور ان میں بھرپور قوت نمو پیدا ہو جاتی ہے، اور بعض حصّے پانی کو روک لیتے ہیں اور اس سے خلقِ خدا تشنگی کا ازالہ کرتی رہتی ہے اور کچھ کھرّے چٹیل میدان ہوتے ہیں جہاں پانی برسا اور بہہ کر آگے نکل گیا۔ نہ زمین نے فائدہ اُٹھایا اور نہ خلق خدا نے۔ یہی کیفیت آج اسلامی تحریک کے اثرات کی ہے۔ اس مختصر کتاب میں ان اثرات کے چند گوشے بیان کیے گئے ہیں۔ امید ہے قارئین کرام اس "مشتے نمونہ" سے پورے "خروار" کی حقیقت پہچان لیں گے۔

۳؍ نومبر ۱۹۸۹ء
منصورہ لاہور

خلیل احمد حامدی

تقدیر الرجال، لاتقدیس الرجال[1]

انسانوں کے تذکرے میں ہمارا اصول یہ ہے کہ ہم تقدیر الرجال (انسانوں کی قدر شناسی) کے قائل ہیں، تقدیس الرجال (انسانوں کی تقدیس) کے قائل نہیں ہیں۔ اسی اصول کے تحت ہم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا تذکرہ شروع کر رہے ہیں۔ یہ کرہ کتنا طویل اور کس قدر متنوع ہوگا۔ اس سلسلے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ یہ کرہ ایک شخص کا نہیں، ایک قائد کا ہے ایک تنظیم کا نہیں، ایک عہد کا ہے۔ ایک آواز کا نہیں، ایک انقلاب کا ہے۔ اور جب تک موج انقلاب آشنائے تلاطم ہے یہ تذکرہ لسان صدق اور جان قلم رہے گا۔

عہدِ مودودیؒ کا آغاز سقوطِ خلافت سے شروع ہوتا ہے۔ جس طرح فتنۂ تاتار اور زوال بغداد کے بعد ملّتِ اسلامیہ بے شیرازہ، تشتۂ میر اور فکری ژولیدگی کا شکار ہو کر رہ گئی تا آنکہ رحمتِ خداوندی نے جوش مارا اور مصلحین کا ایک گروہ بروئے کار آیا جس نے ملّت کے جسد بے جان میں روحِ تازہ پھونکی اور عثمانیوں کے روپ میں دوبارہ ملّت کو عروج حاصل ہوا —— اسی طرح سقوط خلافتِ عثمانیہ کے بعد پھر ملّت تار تار ہو گئی

---

(1) یہ مضمون "تذکرۂ مودودیؒ" میں اپریل ۱۹۸۶ء میں چھپ چکا ہے۔ موضوع کی مناسبت سے ہم اسے "اسلامی تحریک کے عالمی اثرات" کے آغاز میں دے رہے ہیں جس انسان کا یہ تذکرہ ہے اسی کی دعوت کے افق اس کتاب میں بیان کیے گئے ہیں۔

علّامہ اقبال رحمہ اللہ نے انگشت بدنداں ہو کر کہا:

چاک کر دی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ، اوروں کی عیاری بھی دیکھ

اقبال کے ہم عصر عرب شاعر امیر الشعراء شوقی بک نے اس حادثے پر غمناک ہو کر کہا:

عادت اغانی العرس رجع نواح	شادی کے نغمے نوحہ ہائے غم میں تبدیل ہو گئے اور اے خلافت عین خوشیوں کے جھرمٹ میں تیری موت کی خبر آ گئی۔ مسجدوں کے مینار و منبر تیری موت پر بلبلا اٹھے اور ہر ملک اور ہر خطہ رونے لگا۔ ہندوستان آشفتہ سر ہو گیا اور مصر غمناک یہ سب زار و قطار رو رہے ہیں۔ شام ہو عراق ہو کہ فارس سب پوچھ رہے ہیں کہ کیا کسی نے اٹھ کر خلافت کو کرۂ ارض سے محو کر دیا ہے؟
ونعيت بين معالم الافراح	
ضجت عليك مآذن ومنابر	
وبكت عليك ممالك ونواح	
الهند والهةٌ ومصر حزينةٌ	
تبكى عليك وبمد معٍ سحاح	
والشامُ تسال والعراق وفارسُ	
امحامِنَ الارضِ الخلافة ماحٍ	

مصری عالم محمود شاکر نے المقطم اخبار میں اس واقعہ پر جن خیالات کا برجستہ اظہار کیا تھا شاید وہ پورے عالم اسلام کے احساسات کی ترجمانی کرتے ہیں۔

"خلیفہ برطرف کر دیا گیا، خلافت منسوخ کر دی گئی۔ املاک ضبط کر لی گئیں۔ اوقاف پر سرکاری قبضہ کر لیا گیا۔ دینی تعلیم ختم کر دی گئی۔ اور شرعی عدالتیں منسوخ کر دی گئیں۔ یہ کیا طوفان بدتمیزی برپا ہو گیا ہے جس کے اثرات نے مشرق و مغرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ یہی خلافت تو اسلام کی بچی کھچی شوکت اور صدر اسلام کی ایک باقی ماندہ علامت رہ گئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس واقعے سے ہمارے دل ٹوٹ گئے ہیں۔ اور پوری ملّت حیران و سرگرداں ہو گئی ہے۔"

خاتمۂ خلافت صرف جذبات غم والم ہی لے کر نہ آیا، بلکہ اس کے بعد طرح طرح کے سیاسی اور فکری فتنوں نے سر اٹھا لیا۔ استعماری طاقتوں نے عالم اسلام کے مختلف حصّوں میں اپنے پنجے گاڑ لئے۔ مغرب کی ذہنی غلامی وبا کی طرح پھیل گئی اور دین سے بیزاری ترقی کی علامت بن گئی۔ یہ پُر آشوب حالات تقاضا کر رہے تھے کہ کوئی ایسی شخصیت ظہور پزیر ہو جو مِلّت کو از سرِ نو اسلام کے چشمۂ صافی سے شاد کام کرے۔ لادینی ظلمتوں کے اندر کتاب و سنّت کی قندیل فروزاں کرے اور نوجوانوں کے اندر دین بیزاری کا قلع قمع کر کے دین کی محبّت اور شیفتگی کا زمزم رواں کر دے۔ برِعظیم ہند میں اس کام کو جس شخصیت نے جامعیت و بلند آہنگی کے ساتھ کیا وہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ہیں۔ اسی کام کی تشخیص کرتے وقت عالم اسلام کی نمایاں شخصیتوں نے انھیں ابنِ تیمیۂ وقت، غزالئ عصر، امام المسلمین اور المسلم العظیم کے القاب سے نوازا۔

قومیت، لادینیت، تجدد، تفریقِ دین و سیاست، تاویلات باطلہ اور جمود و جحود نے نظریات و افکار کی دنیا کو ایک خوف ناک جنگل بنا کر رکھ دیا تھا۔ یہ جاننا مشکل ہو گیا تھا کہ اسلام کے وہ اصل خد و خال کیا ہیں جو اللہ کی کتاب، رسول کی سُنّت، خلفائے راشدین کے عمل اور ائمۂ امّت کی کدو کاوش کا مرکز و محور رہے ہیں۔ مولانا مودودیؒ نے ایک طرف تیشۂ برہانِ قرآنی سے افکار و نظریات کا پُر پیچ جنگل صاف کیا اور نئے اور خود ساختہ جاہلی خداؤں کو ریزہ ریزہ کیا اور دوسری طرف اسلام کے چہرۂ انور کو اپنے اصل روپ اور اصل خد و خال کے ساتھ ملّت کے سامنے پیش کر دیا۔ جس کی چمک نے تاریک روحوں کو روشنی بخشی اور جس کی بہار نے مردہ کھیتیوں کو شاداب کر دیا۔ یہی دعوت کا خاصّہ ہے۔

وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ۔

(تم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی پڑی ہے۔ پھر جب ہم نے اس پر پانی برسایا تو وہ بھبک اٹھی اور پھول گئی اور اس نے ہر قسم کے خوش منظر نباتات اگانا شروع کر دیئے) اس اصلاحی مشن کو عربی زبان میں تجدید کہتے ہیں۔

دلوں کو متاثر و مسحور وہی بات کرتی ہے جس میں دو خوبیاں پائی جاتی ہوں حسنِ مضمون اور حسنِ بیان۔ قرآن کریم خدا کا کلام ہے اور اس میں یہ دونوں خوبیاں بکمال درجہ پائی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کلام نے سنگ دلوں کو موم بنا کر رکھ دیا۔ اس کلام کو اس کی اصل نفاست و سلاست اور اصل حکمت و نکہت کے ساتھ جب بھی بیان کیا جائے گا یہ دلوں کو مسحور اور ذہنوں کو مقہور کرے گا۔ مولانا مودودیؒ کی دعوت کا سرچشمہ قرآن ہے۔ قرآن نے مولانا کو حسن مضمون فراہم کر دیا اور دورِ حاضر میں اس حسنِ مضمون کی تشریح کے لئے اردو میں جس حسن بیان کی ضرورت تھی وہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلم کو ودیعت کر دیا۔ چنانچہ اس چیز نے ان کے اسلوب نگارش، پیرایۂ اظہار اور طرز استدلال کے اندر وہ تاثیر پیدا کر دی جس نے جذبات میں ہلچل مچا دی، طبیعتوں کو بے چین اور دلوں کو حاضر و موجود سے بیزار کر دیا۔ ہمارے ایک دوست سامی الوکیل (ریاض) کے الفاظ ہیں" میں نے مختلف مصنّفوں کی کتابیں پڑھیں۔ ان میں زبان و ادب کی بڑی چاشنی محسوس کی ہے ——— مگر مولانا مودودیؒ کی تحریروں نے مجھے بے چین کر کے رکھ دیا۔" "اقض علی مضجعی" علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اشعار میں یہ نقشہ یوں کھینچا ہے۔

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
دے کے احساس زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان پر چڑھا کر تجھے تلوار کرے

موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رُخ دوست
زندگی تیرے لیے اور بھی دشوار کرے

ایسی تحریریں زندۂ جاوید ہوتی ہیں۔ ان کے پیچھے صرف بلاغت و ندرت کا اعجاز نہیں ہوتا بلکہ کردار کی عظمت کارفرما ہوتی ہے۔ کوئی طاقت انہیں محو کر سکتی ہے نہ محدود۔ سیّد قطبؒ لکھتے ہیں: "کسی مصنف کی تحریریں ایسی ہیں جیسے خوب صورت مورتیاں۔ جب مصنف اپنی تحریروں کی تائید اپنے کردار سے کرتا ہے تو ان میں روح داخل ہو جاتی ہے اور پھر وہ کتابوں کے اندر ہی نہیں رہتیں، بلکہ انسانی آبادیوں کے اندر چلتی پھرتی نظر آنے لگتی ہیں۔" مولانا مودودیؒ کی تحریروں کی پشت پر بھی ان کے کردار کا کوہ گراں جلوہ آرا ہے۔ ان کی تحریریں روانیٔ قلم کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ معرکۂ حق و باطل کا ثمرہ ہیں۔ سیاہی سے نہیں خون دل سے رقم کی گئی ہیں۔

خون دل و جگر سے ہے میری نوا کی پرورش
ہے رگ ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو

موجودہ صدی کے ربع اوّل میں مولانا مودودیؒ کی آواز ایک فرد کی آواز تھی۔ اور اب یہ آواز نہ صرف ملّت اسلامیہ کی پکار بن چکی ہے، بلکہ پورے عالم انسانیت کی ضرورت بن کر ابھر رہی ہے۔ یہ آواز موجودہ مادی تہذیب کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ موجودہ انسان تہذیب حاضر کے دیو استبداد کے ہاتھوں نالاں ہے۔ یہ نالش اس قدر بڑھتی جا رہی ہے کہ علم و فن کی غیر معمولی ترقی بھی اس کا مداوا نہیں کر سکتی، بلکہ خود ترقی اس میں اضافے کا موجب بن رہی ہے۔ انسان کی فطرت چاہتی ہے کہ کوئی اُسے اس صورتحال سے نجات دے۔ انسان نے سب نسخے آزما لیے ہیں۔ سرمایہ داری ہو یا اشتراکیت، جمہوریت ہو یا آمریت جتنے نظریات اور نظام ہائے زندگی انسان کا ذہن رسا تراش سکتا تھا اس نے تراش دیکھے اور آزما لیے۔ کسی نے اس کی چارہ گری نہیں کی۔ اس کا علاج صرف اسلام کے اندر ہے۔ تحریک اسلامی

اس نسخۂ کیمیا کو لے کر دنیا کے اندر اٹھی ہوئی ہے۔ اس نے تہذیب حاضر کے خلاف ایک فکری و نفسیاتی معرکہ برپا کر رکھا ہے۔ مولانا مودودیؒ کی فکر اس معرکے کا بنیادی ہتھیار ہے۔ یہ معرکہ عالمگیر شکل اختیار کر چکا ہے۔ ہر آنے والا دن اس معرکے میں شدت پیدا کرتا جا رہا ہے۔ پس تحریک اسلامی ایک عالمگیر پیغامِ انقلاب ہے اور مولانا مودودیؒ کی شخصیت اور ان کی فکر روحِ عصر ہے مصری خاتون زینب الغزالی کے الفاظ ہیں: مولانا مودودیؒ کی فکر، ہوا میں سرایت کر چکی ہے۔ جس سے مشام جان معطر رہتا ہے۔ یہ ہوا پوری دنیا کے اندر چل رہی ہے: "اندلس کی وادیوں سے لے کر افریقہ کے صحراؤں تک، یورپ کے سبزہ زاروں سے لے کر امریکہ کی درسگاہوں تک مشرقِ بعید کے ممالک سے لے کر مغرب اقصیٰ کے کناروں تک، افغانستان کے کوہ و دشت سے لے کر فلپائن کے جنگلات تک فکر مودودیؒ سرمایہ فزونیٔ ایمان اور بے راہ رووں کے لئے ذریعہ رشد و ہدایت ثابت ہو رہی ہے۔ یہ فطرت کی آواز ہے یہ عصرِ حاضر کی ضرورت ہے یہ بالا و برتر ہو کر رہے گی۔ دسویں صدی عیسوی کے عربی شاعر ابوالحسن الانباری نے اپنے ممدوح وزیر کے بارے میں جو کہا تھا وہ مودودیؒ اور فکر مودودی کا صحیح آئینہ ہے۔

عُلُوٌّ فِی الْحَیَاۃِ وَفِی الْمَمَاتِ اَنْتَ لَحَقٌّ اِحْدَی الْمُعْجِزَاتِ

(زندگی میں بھی سربلند اور مرنے کے بعد بھی بالا و برتر ہے۔ تو یقیناً اس دور کی سراپا اعجاز شخصیت ہے۔

تحریکِ اسلامی کے عالمی اثرات

تحریک اسلامی کے عالمی اثرات

جماعت اسلامی پاکستان کی طرف سے منصورہ، لاہور میں ایک کل پاکستان تربیت گاہ یکم جولائی تا ۱۱ جولائی ۱۹۷۶ء منعقد کی گئی۔ اس میں پاکستان بھر کے امرائے اضلاع شریک ہوئے۔ راقم نے اس تربیت گاہ میں مندرجہ ذیل موضوعات پر تین تقریریں کیں۔

۱۔۔۔ تحریک اسلامی کے عالمی اثرات

۲۔۔۔ تحریک اسلامی دنیائے اسلام میں

۳۔۔۔ اسلام غالب آئے گا

وقت کی پابندی کے پیش نظر ان تقریروں کے بعض حصے حذف کر دیئے گئے تھے۔ لیکن اب ان کو اصل شکل میں پیش کیا جا رہا ہے، بلکہ زیر نظر کتاب کی ترتیب کے وقت حسب ضرورت حواشی بڑھا دیئے گئے ہیں۔ تقاریر کے عناوین سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان میں سے ہر عنوان مفصل جائزہ اور وسیع تحقیق چاہتا ہے اور کسی ایک تقریر کے اندر اسے نبھایا جانا ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ ان تقاریر میں بھی موضوع زیر بحث کے بعض پہلوؤں پر ایک سرسری نظر ڈالی گئی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ عالمی اسلامی جدوجہد کی جانب سامعین کی نگاہ مبذول کرائی جائے۔ امید ہے تحریک اسلامی کے کارکنوں کے لیے یہ سرسری جائزہ بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

رفقائے گرامی قدر!

جماعت اسلامی ۱۹۴۱ء میں قائم ہوئی ہے۔ تقسیم ملک تک تو اس کی دعوت

زیادہ تر برعظیم ہند تک محدود رہی لیکن تقسیم ملک کے بعد جب جماعت کا لٹریچر عربی زبان میں اور دیگر زبانوں میں منتقل ہونا شروع ہوا تو جماعت کی دعوت دنیائے اسلام کے مختلف خطوں میں پہنچنا شروع ہو گئی۔ عربی زبان میں جماعت کا لٹریچر ابھی ابتدائی مراحل میں تھا کہ اسے عرب حلقوں کے اندر غیر معمولی پزیرائی حاصل ہوئی اور اب علی الخصوص اخوان المسلمون کے اندر اسے ہاتھوں ہاتھ لیا جانے لگا، بلکہ مصر اور شام کے اندر اخوان ہی کے لوگوں نے اس کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا۔ مصر میں اخوان پر جب ۱۹۵۴ء میں ابتلا کا آغاز ہوا تو ہمارے لٹریچر کی اشاعت کا مرکز شام منتقل ہو گیا۔ اور ایک مدت تک شام میں چھپتا اور عرب ممالک میں پھیلتا رہا۔ اور جب شام کے اندر بعث پارٹی کی حکومت قائم ہوئی اور فکری آزادی ختم کر دی گئی تو نشر و اشاعت کا سارا کام بیروت منتقل ہو گیا۔ اور اب بیروت کی تباہی کے بعد شاید قاہرہ ہی کو از سر نو مرکز اشاعت بنایا جائے[1]۔

گزشتہ ۵۰ سالوں کے اندر عالم اسلام کی دیگر زبانوں کے اندر بھی ہمارے لٹریچر کے ترجمے ہوئے ہیں۔ علاقائی ترجموں کے علاوہ عربی اور انگریزی تراجم تو نہ صرف

---

[1] اس لٹریچر کی اشاعت کی ذمہ داری پانچ سال سے جدہ کے ایک پبلشنگ ادارے الدار السعودیہ للنشر والتوزیع نے باقاعدہ معاہدے کے ذریعے لے رکھی ہے۔ یہ ادارہ الحمدللہ بڑے اہتمام اور خوب صورت گٹ اپ کے ساتھ اب ہمارا لٹریچر چھاپ رہا ہے اور تمام عرب ممالک میں اس کو تقسیم کر رہا ہے۔ اس ادارے کے سربراہ ہمارے قدیم دوست اور مولانا مودودیؒ کے فدائی جناب محمد صلاح الدین ہیں۔ بعض دیگر ادارے بھی اپنے طور پر ہماری کتابیں چھاپ لیتے ہیں۔ سعودی عرب کی وزارت تعلیم نے سعودی اسکولوں کے لیے رسالہ دینیات (مبادی الاسلام) کئی ہزار چھاپا ہے۔ رسالہ دینیات اردن کے ہائی اسکولوں کے نصاب میں بھی شامل ہے۔ اردن کا محکمہ تعلیم اپنے طور پر اسے چھاپ لیتا ہے۔
(مصنف ۱۲ر اکتوبر ۱۹۸۹ء)

عرب اور غیر عرب مسلم ممالک کے اندر بھی پھیل رہے ہیں، بلکہ مغربی ممالک کے اندر بسنے والے مسلمان بھی ان دونوں زبانوں سے اکثر و بیشتر استفادہ کر رہے ہیں۔ اور اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ دنیا کے مختلف حصوں میں جہاں کہیں اسلامی دعوت کے لئے کام ہو رہا ہے وہاں ہمارا لٹریچر کسی نہ کسی زبان میں پہنچ رہا ہے اور اس کی مانگ روز بروز شدت اختیار کرتی جا رہی ہے[1]۔

جماعت اسلامی کے لٹریچر کی مقبولیت کوئی سربستہ راز نہیں ہے چند لفظوں میں اس کی مقبولیت کا راز یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

۱۔۔۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اسلام کی دعوت کو بیرونی افکار و نظریات کی آمیزش سے پاک کر کے خالص اس انداز میں پیش کیا جس انداز میں خود قرآن کریم نے اسے پیش کیا ہے۔

۲۔۔۔ اسے پیش کرنے کے لئے وہ اسلوب اختیار کیا جس سے بیسویں صدی کا انسان متاثر ہو سکے۔ اسلامی تاریخ میں جو مصلحین اپنی دعوت و کوشش میں کامیاب ہوئے ہیں اس کی ایک وجہ یہ بھی رہی ہے کہ انہوں نے اپنے دور کے عقلی و فکری پیمانوں کو سامنے رکھ کر انسانوں کو خطاب کیا۔ مولانا مودودیؒ نے بھی جن نظریات و افکار پر تنقید کی ہے اور ان کے مقابلے میں اسلامی نظریات کو جس اسلوب میں پیش کیا ہے اس سے

---

[1] مولانا مودودیؒ کی چند تصانیف ایسی ہیں جنہیں عالمی پیمانے پر غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ مثلاً رسالہ دینیات، اسلام کا نظام حیات، عالم اسلام کی تعمیر میں مسلمان طلبہ کا کردار، تحریک اور کارکن، جہاد فی سبیل اللہ۔ ان تصانیف کا ترجمہ الاتحاد العالمی الاسلامی للمنظمات الطلابیہ (انٹرنیشنل اسلامک فیڈریشن آف سٹوڈنٹس آرگنائزیشنز) کی کوششوں سے دنیا کی ۷۰ سے زائد زبانوں میں چھپ چکا ہے۔ الحمدللہ (مصنف ۱۲ر اکتوبر ۱۹۸۹ء)

صاف واضح ہے کہ مصنف کے پیش نظر بیسویں صدی کے انسان کا ذوق ہے۔

۳۔۔۔ صرف قوت بیان وسحر بلاغت کو ہی دعوت کی بنیاد نہیں بنایا، بلکہ اس کے لئے اس کردار کا بھی ثبوت فراہم کیا جو اسلامی دعوت پیش کرنے کے لئے ناگزیر ہے۔ کسی مصنف کی خوش نما تحریریں ایسی ہی ہوتی ہیں جیسے خوش نما مورتیاں۔ لیکن جب مصنف ان کی خاطر اعلیٰ کردار کا نمونہ پیش کرتا ہے تو ان تحریروں کے اندر روح داخل ہو جاتی ہے اور وہ جامد مورتیوں کے بجائے متحرک مشعلیں بن جاتی ہیں۔ یہی بات مولانا مودودیؒ کی تحریروں پر منطبق ہوتی ہے۔

۴۔۔۔ مصنف نے اسلام کو محض ایک کامل نظام زندگی کی حیثیت سے پیش ہی نہیں کیا، بلکہ اُسے عملاً برپا کرنے کے لئے جدوجہد کا آغاز کیا اور ایک جامع تحریک کی بنیاد ڈالی جو آج تک اس دعوت کو غالب کرنے کے لئے انفرادی واجتماعی، سیاسی ومعاشرتی اور تعلیمی وتربیتی غرض ہر پہلو سے جہاد کر رہی ہے۔

اس بات سے کوئی معاند ہی انکار کر سکتا ہے کہ مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کی تحریروں اور جماعت اسلامی کی اصلاحی کوششوں نے عالم اسلام پر مختلف النوع اثرات ڈالے ہیں۔ ان اثرات کا حصر واحاطہ مشکل ہے۔ البتہ چند نمونے آئندہ صفحات میں پیش کئے جا رہے ہیں:

فکری اثرات

جماعت اسلامی ہند وپاک اور اخوان المسلمون میری نظر میں جڑواں بہنیں ہیں۔ دونوں کا دور جنین اور عرصہ پیدائش تقریباً ایک ہی ہے[۱]۔ دونوں میں بہت سے

۱؎ اخوان المسلمون کی تاسیس مصر کے شہر اسماعیلیہ میں ۱۹۲۸ء میں عمل میں آئی۔ جماعت اسلامی

پہلوؤں میں ہم آہنگی ہے۔ البتہ دو بڑے فرق ہیں:

۱۔۔۔ اخوان میں تنظیم پہلے قائم ہوئی اور نصب العین کا تعین اور فکری پختگی بعد میں۔ جب کہ جماعت اسلامی کا نصب العین اور ہدف اور فکری رخ پہلے واضح ہوا اور تنظیم بعد میں۔

۲۔۔۔ اخوان نے اسلام کا مجمل تعارف پیش کر کے اخلاقی وروحانی تربیت پر زور دیا۔ جماعت نے اسلام کا عہد حاضر کی جاہلیت کو سامنے رکھ کر مفصل تصور پیش کیا۔ اور پھر اخلاقی وروحانی تربیت کے ساتھ ساتھ اسلام کے مختلف پہلو واضح کئے اور اس کے لئے وہ اسلوب اختیار کیا جو بیسویں صدی کی جاہلیت کو خطاب کرنے کے لئے ضروری تھا۔ اخوان کی دعوت میں آغاز میں یہ بات نہ تھی۔

جماعت اسلامی اور اخوان کے بانی ایک دوسرے سے براہ راست متعارف نہ تھے۔ البتہ اب گمشدہ کڑیاں مل رہی ہیں۔ کویت کے ایک تاجر عبد العزیز العلی المطلوع ۱۹۳۵ء میں بسلسلہ تجارت بمبئی میں مقیم تھے۔ ان کا عربی دان ہندی سکریٹری مولانا مودودیؒ کے مضامین ومقالات کا عربی میں ترجمہ کرتا تھا اور تاجر موصوف انہیں مصر حسن البناء کو بھیج دیتا تھا۔ اور وہاں سے تحسین وستائش پر مبنی تاثرات پر مشتمل جواب آتا تھا[۱]۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

کی تاسیس تو ۱۹۴۱ء میں ہوئی، مگر مولانا مودودیؒ نے اسلام کی انقلابی دعوت کا آغاز ۱۹۳۳ء سے مجلہ ترجمان القرآن کے ذریعہ کر دیا تھا۔ جب کہ مولانا نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ”الجہاد فی الاسلام“ ۱۹۲۳ء میں لکھی۔ مولاناؒ کی انقلابی فکر اور دین کا جامع تصور اس کتاب سے صاف اجاگر ہو رہا ہے۔

۱؎ استاذ عبد العزیز العلی المطلوع نے یہ بھی بتایا کہ مولانا مودودیؒ کی بہت سی ابتدائی تحریریں انہوں نے عربی میں ترجمہ کروا کر قاہرہ کے مجلہ الشرق میں بھی چھپوائی تھیں۔ اور قارئین کی طرف سے انہیں خطوط ملتے تھے کہ یہ سلسلہ جاری رکھا جائے۔

اس پس منظر کے ساتھ میں یہ عرض کروں گا کہ جماعت اسلامی نے فکری پہلو سے دنیا پر مندرجہ ذیل اثرات ڈالے ہیں۔ اخوان اور غیر اخوان سب اس سے متاثر ہوئے ہیں۔

۱ ـــ جماعت نے پوری قوت و شدّت سے دشمن و دوست ہر ایک سے منوا لیا کہ اسلام ایک مذہب نہیں، ایک مکمل نظام زندگی ہے اور وہ دنیا میں مغلوب رہنے کے لئے نہیں بلکہ دنیا کی رہنمائی کرنے کے لیے آیا ہے۔ اس صدی کے آغاز میں بڑے بڑے مسلمان مفکرین اسلام کو ایک محدود معنیٰ میں مذہب کی حیثیت سے بیان کرتے رہے۔ مگر آج ہر شخص خواہ مخالف ہو یا حامی اسلام کو مکمل ضابطۂ حیات قرار دیتا ہے اور یہ تسلیم کرتا ہے کہ اسلام اپنا الگ فلسفہ، الگ تہذیب اور الگ نظام معاشرت و معیشت رکھتا ہے۔

۲ ـــ اسلام اور جاہلیت کا فرق واضح کیا۔ یہ وہ اصطلاح ہے جو انبیائے اور آخر میں قرآن کریم نے استعمال کی ہے۔ یعنی جاہلیت کسی تاریخی دور کا نام نہیں ہے، بلکہ انسانوں کی ایک مخصوص حالت کا نام ہے۔ اور دنیا میں کشمکش اسلام اور جاہلیت کے مابین برپا ہے۔ جاہلیت کے علمبردار مسلمان بھی ہو سکتے ہیں اور غیر مسلم بھی۔ اسی اصول کے تحت مولانا مودودیؒ نے اسلامی تاریخ اور تاریخ مسلمین میں امتیاز قائم کیا۔

۳ ـــ حاکمیت خدا کا نظریہ۔ اس نظریئے کے بموجب مولانا مودودیؒ نے یہ واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ کی تکوینی حاکمیت کے ساتھ ساتھ اس کی تشریعی حاکمیت تسلیم کئے بغیر ایمان مکمل نہیں ہو سکتا ـــ تشریعی حاکمیت کے نظریئے نے دنیا کے نظریات اور فلسفوں پر ضرب کاری لگائی ہے۔ یہ نظریہ اخوان کے اندر جماعت اسلامی کے لٹریچر کے ذریعے داخل ہوا اور پھر سیّد قطب اور محمد قطب نے ان دونوں کو اس قدر شرح و بسط سے بیان کیا کہ جاہلیت لرز اٹھی۔

۴ ـــ تہذیبِ مغرب کا سحر کافور کیا اور اسلامی تہذیب پر اعتماد و اعتزاز بحال کیا۔ ایک وہ دور تھا کہ بڑے بڑے علماء تہذیبِ مغرب کے سامنے سپر انداز ہو گئے تھے مثلاً رشید رضا جیسے جلیل القدر عالم اور مولانا شبلی مرحوم جیسے بزرگ۔ اور اب یہ دور ہے کہ اسلامی تحریک

کا ایک معمولی کارکن مغرب کے اندر مغربی تہذیب کو پاؤں سے ٹھکراتا ہے[1]۔ فکر و ذوق کا یہ زبردست انقلاب اسی مسیحا نفس انسان کا کارنامہ ہے جو اچھرے میں بیٹھا ہے اور جس کے پروانے دنیا کے کونے کونے میں رقص بسمل کر رہے ہیں۔ مولانا مودودیؒ کے ساتھ ان کی محبت و وابستگی عشق و جنون تک پہنچ چکی ہے۔ ابھی حال ہی کی مثال ہے کہ ایک مسلمان ڈاکٹر لندن میں ماہ اپریل میں منعقد ہونے والی بین الاقوامی اسلامی کانفرنس کے موقع پر جرمنی سے لندن آیا۔ اس کی بیوی ہمبرگ کے اسپتال میں داخل تھی اور اس کی حالت بہت خراب تھی، مگر اس ڈاکٹر نے جب یہ سنا کہ مولانا مودودیؒ اسلامی کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن آرہے ہیں تو بیوی کو اسی حالت میں چھوڑ کر لندن آیا۔ لندن آکر جب اسے یہ معلوم ہوا کہ مولانا محترم تشریف نہیں لائے ہیں تو الٹے پاؤں واپس ہمبرگ چلا گیا۔

۵ ـــ دستوری جنگ کو اسلامی نظام کے قیام کا نقطۂ آغاز قرار دیا۔ انڈونیشیا اور سوڈان کی اسلامی تحریکوں نے اسی طرز کی دستوری جنگ لڑی ہے۔

۶ ـــ مذہب و سیاست کی تفریق کا خاتمہ کیا۔ پچھلی صدی سے مستشرقین کی ایک جماعت مسلمان ممالک کے اندر استعماری طاقتوں کے پاؤں مضبوط کرنے کے لیے برابر یہ کوشش

---

[1] اس کی واضح ترین مثال محترمہ مریم جمیلہ ہیں۔ انہوں نے مغربی تہذیب کے سب سے بڑے مرکز امریکہ میں تربیت پائی ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا۔ مولانا مودودیؒ کے ساتھ انہیں جو روحانی تعلق تھا اس کا اندازہ خود ان کی کتاب "مریم جمیلہ اور مولانا مودودیؒ کی مراسلت" سے کیا جا سکتا ہے۔ اب موصوفہ نے متعدد ایسی کتابیں انگریزی میں لکھی ہیں جن میں مغربی تہذیب کے فساد کا پول کھول کر رکھ دیا ہے۔ دوسری مثال سویڈن کی خاتون زینب علی ابوجبر ہیں۔ اسی کتاب میں ان کا اسلام لانے کا واقعہ کسی مقام پر بیان کیا گیا ہے۔

کرتی رہی کہ اسلام کے دو حصّے کر دیئے جائیں۔ ایک مذہبی حصّہ اور دوسرا سیاسی حصّہ مذہبی حصّہ علماء سُوء کے سُپرد کر دیا جائے۔ اور سیاسی حصّہ "قیصر" کے تابع رکھا جائے۔ تاکہ "قیصر" جس طرح چاہے مسلمانوں کی گردنوں پر کوس حکمرانی بجاتا رہے۔ دین و دنیا کی تفریق کا یہ ذوق مستشرقین نے اس قدر عام کیا کہ مسلمانوں کا ایک اچھا خاصا گروہ اس کا قائل ہو گیا۔ ایک طرف مولانا مودودیؒ نے اٹھ کر یہ اعلان کیا کہ اسلام ایک کل ہے اس کے حصّے بخرے نہیں کئے جا سکتے۔ اسے پورا اختیار کرنا ہوگا یا پورا ترک کرنا ہوگا۔ دوسری طرف حسن البناءؒ نے یہ نعرہ لگایا کہ اسلام دین بھی ہے اور ریاست بھی، تلوار بھی ہے اور قرآن بھی۔

فقہی اثرات

دنیائے اسلام فقہی لحاظ سے سات بڑے اسلامی مذہب میں منقسم ہے۔

- ہندو پاکستان۔ افغانستان۔ ترکی۔ نصف عراق حنفیت کے علمبردار ہیں۔
- مصر شام۔ اردن۔ صومالیہ، ملائشیا، انڈونیشیا شافعیت کے موید۔
- سعودی عرب، نصف یمن، کویت، قطر، نصف بحرین اور امارات (ماسوائے ابوظبی) حنبلیت کے پیرو ہیں۔
- سوڈان، نصف لیبیا، تونس، الجزائر، مراکش، نائیجریا، موریطانیہ، ابوظبی مالکیت کے تابع۔
- عمان اور نصف لیبیا اباضی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔
- نصف یمن زیدی ہے۔
- تین چوتھائی ایران اور تقریباً نصف عراق اور نصف بحرین شیعہ ہے۔

ان مذہب کے اندر بعض امور میں بنیادی اختلاف پایا جاتا ہے نیز اس صدی کے ربع اول میں مصری علماء علامہ عبدہ اور رشید رضا نے جو فقہی آرا قائم کی تھیں وہ

اکثر و بیشتر مذاہب پر اثر انداز ہوگئیں۔ بلکہ ان دونوں بزرگوں اور ان کے شاگردوں کی زوردار تحریروں نے عالم عرب کے مذہبی حلقوں پر یک گونہ سیادت قائم کر لی تھی۔ مولانا مودودیؒ نے ان تمام مذاہب کے پیرؤں پر اپنے مخصوص انداز تحقیق کی قوت سے غیر معمولی اثر ڈالا۔ اور بعض مسائل میں ان تمام مذاہب سے اپنی بات کا سکّہ منوالیا علی الخصوص مندرجہ ذیل مسائل میں۔

۱— عورت کا پردہ

جہاں تک عورت کے پردے کا تعلق ہے شافعیہ کے ہاں عورت ہاتھ اور چہرہ ننگا کر کے باہر نکل سکتی ہے۔ یہی رشید رضا مرحوم کا فتویٰ ہے، مگر مولانا کی کتاب "پردہ" (الحجاب) نے اس رائے کو صحیح نہیں قرار دیا۔ اور اپنے زوردار دلائل سے پردہ کے بارے میں اپنی رائے کو منوالیا یا اس کے سامنے دوسروں کو لاجواب کر دیا۔ پردہ کے بارے میں مولانا مرحوم کی رائے یہ ہے کہ عورت کو غیر محرم کے سامنے چہرہ اور ہاتھ ننگے نہیں کرنے چاہئیں۔ مولانا محترم کی اس رائے کے اثرات معلوم کرنے کے لئے دو مثالیں نقل کی جاتی ہیں:

مصر کی ایک لیڈی ڈاکٹر نور الصباح نے شرعی حجاب اوڑھ لیا۔ جب مصر کے ایک مجلّہ صباح الخیر نے اس سے ایک طویل انٹرویو میں یہ دریافت کیا کہ اس طرز کا حجاب اس نے کہاں سے تحقیق کیا ہے؟ اس نے جواب دیا، مولانا مودودی کی کتابوں (پردہ اور تفسیر سورۂ النور) سے۔ اب صورت یہ ہے کہ ایک طرف لڑکیوں کے اندر حجاب شرعی کا رواج بڑھتا جا رہا ہے اور دوسری طرف مصر کا آزاد خیال پریس اس سے بوکھلا اٹھا ہے اور وہ مصری معاشرے کے آوارہ خیال مردوں اور عورتوں سے انٹرویو لے کر حجاب شرعی کا توڑ کرنا چاہتا ہے۔

شام کی ایک مثال عرض کرتا ہوں۔ کویت کا ہفت روزہ المجتمع ۲۲ جون ۱۹۷۶ء حجاب کی اشاعت میں لکھتا ہے:

"شام کے ظالم حکمرانوں کو اس بات پر سخت غصہ آ رہا ہے کہ شام کے مدارس میں طالبات لباس شرعی پہن کر جاتی ہیں۔ ایک مرتبہ وزارت تعلیم کا ایک آفیسر ایک گرلز اسکول کے معاینے کے لیے گیا۔ اس نے دیکھا کہ اکثر طالبات پردے کی حالت میں ہیں۔ اس پر پاگل پن کا دورہ پڑا اور اس نے زبردستی سروں سے برقعے کھینچنے شروع کر دیئے۔ کہنے لگا بیسویں صدی میں اور شام انقلابی حکومت کے اندر یہ کیسی قدامت پرستی۔ واپس جاکر اس نے یہ سرکلر جاری کیا کہ کوئی لڑکی اسکولوں میں برقع پہن کر نہیں جاسکتی۔ اگر کوئی استانی ایسا کرے گی تو اسے برطرف کر دیا جائے گا۔"

۲— ذبیحۂ اہل کتاب

ذبیحہ اہل کتاب کا مسئلہ بھی خاصا موضوع بحث بنا رہا ہے۔ اور بعض جگہ ابھی تک ہے۔ اس کے متعلق جواز کا فتویٰ بھی کئی عرب علماء دے چکے ہیں۔ اور تسمیہ اور تزکیہ کی شرطوں کو اہل کتاب کے لیے ضروری نہیں مانتے۔ مولانا مودودیؒ نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور اس رائے کی دھجیاں اڑادی ہیں۔ اس کے نتیجے میں یورپ اور امریکہ کے اندر اکثر مسلمان حلال ذبیحہ کے پابند ہوگئے ہیں۔ انگلستان، فرانس اور امریکہ کے اندر حلال ذبیحہ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ غیر ملکی کمپنیاں جو ڈبوں کا گوشت عرب ممالک میں سپلائی کرتی ہیں، اس رو کو دیکھ کر اب ڈبوں پر یہ عبارت لکھنے لگی ہیں "المذبوح لبطریقۃ اسلامیۃ"۔

میں نے حال ہی میں ایم ایس اے کی شاخ مونٹریال کی رپورٹ میں پڑھا ہے کہ وہاں ایم ایس اے کی طرف سے شہر کے مسلمانوں کے لئے حلال ذبیحہ کا انتظام کیا جاتا ہے اور کویت کے دو طلبا طاہر اور حمود اس شعبے کے انچارج ہیں۔ حالانکہ عرب طلبا پہلے بے دریغ ڈبوں کا گوشت کھایا کرتے تھے۔

مصر کے اندر مسلمان نوجوانوں نے مولانا مودودیؒ کے مقالے "ذبیحۂ اہل کتاب" کو

الگ پمفلٹ میں چھاپ کر تقسیم کیا ہے اور اب مولانا محترم کی ہدایت کے تحت ہم نے یہ مضمون عربی، انگریزی اور اردو میں الگ پمفلٹ کی شکل میں پاکستان میں چھاپا ہے۔ یورپ اور امریکہ کے عرب طلباء کے اندر اسے تقسیم کیا جائے گا۔ لباس کا مسئلہ بھی تینوں زبانوں میں الگ چھاپا گیا ہے اور اسے بھی مغربی دنیا میں اسی غرض سے پھیلایا جائے گا یہ دونوں مسئلے محض فقہی اختلاف کا شاخسانہ نہیں ہیں، بلکہ اس ذہن کی غمازی کرتے ہیں کہ کیا ہم مغربی تہذیب کے تابع بن کر رہنا چاہتے ہیں یا اسلام کے تابع۔

۳— تحدیدِ نسل

تحدید نسل کے بارے میں بھی سابق شیخ الازہر محمود شلتوت نے غلط موقف اختیار کیا۔ تجدد پسند اہل قلم نے بھی خاندانی منصوبہ بندی کے نام سے تحدید نسل پر زور دیا اور مسلمان معاشروں کے اندر اباحیت کا دروازہ کھولا۔ یہ پروگرام دراصل یہودی ذہن کی ایجاد ہے۔ اس کا جو مفصل اور علمی جواب مولانا مودودیؒ نے دیا ہے اور ضبط ولادت کے معاشرتی اور اخلاقی پہلوؤں کا جو سائنٹفک تجزیہ کیا ہے وہ دنیا بھر میں اپنی مثال آپ ہے۔ اس موضوع پر یہ واحد کتاب ہے۔ اور تمام علمی حلقوں میں متداول ہے۔ اب کثرت آبادی کا خوف دلا کر اور فقر و افلاس کے حوالے دے کر تو انسانوں کی نس بندی کی جاسکتی ہے، مگر شرعی جواز پیدا کرنے کی کسی غیور اور سنجیدہ انسان سے توقع نہیں۔ اردن میں عیسائیوں نے تحدید نسل کا فتنہ اٹھا رکھا ہے۔ مگر وہاں کے علماء کا اجتماعی فتویٰ آگیا ہے کہ شریعت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بھارتی مسلمانوں نے اس معاملے میں دنیا کے تمام مسلمانوں کے لئے نہایت اعلیٰ مثال قائم کردی۔ بھارت نے جب جبری نس بندی کا قانون نافذ کیا تو مسلمانوں نے اسے اپنے دین کے خلاف سمجھ کر احتجاج کیا۔ اس احتجاج میں ان کے سینکڑوں آدمی شہید ہوچکے ہیں اور احتجاج ابھی جاری ہے۔ سعودی عرب کے علماء کی سپریم کونسل نے

بھی اندرا گاندھی کو ایک احتجاجی برقیہ بھیجا ہے۔

۴— سود

آپ حیران ہوں گے کہ تجارتی سود کو متعدد علمائے مصر جائز قرار دے چکے تھے، بلکہ جب پہلی مرتبہ طلعت حرب نے بنک آف مصر قائم کیا تھا تو اس پر مذہبی حلقوں نے بھی خوشی کا اظہار کیا تھا۔ خود ہندوستان کے بعض جلیل القدر علماء کا سود کے بارے میں موقف آپ کے علم میں ہے۔

جب مولانا محترم کی کتاب سود منظر عام پر آئی تو اسے اپنے دور کی واحد تصنیف کہا گیا۔ عربی میں یہ ۱۹۵۵ء میں چھپی تھی۔ مسلمان مفکرین کے اندر یہ ہمت کم ہی نظر آ رہی تھی کہ مغرب کے موجودہ معاشی نظام کو جس کی بنیاد سود پر ہے چیلنج کر سکیں۔ یہ خیال عام تھا کہ سود کے بغیر کسی معاشی نظام کا دور حاضر میں چلنا کیسے ممکن ہے۔ مسلمان مفکرین اس موضوع کا تصور کرتے ہی عجز و بے بسی کا شکار ہو جاتے تھے، مگر جو نعرہ مولانا مودودیؒ نے برسوں پہلے لگایا تھا وہ آج ایک تحریک بن چکا ہے۔[1]

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی کتب خانے ایسے لٹریچر سے بھرے پڑے ہیں جو اسلام کے اقتصادی نظام کی تفصیلات پیش کرتے ہیں۔ مکہ کی اقتصادی کانفرنس میں معاشیات کی جو سروے رپورٹ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی صاحب نے پیش کی اس میں انہوں نے معاشیات کے موضوع پر دورِ حاضر کی سات سو چھوٹی بڑی کتابوں کی فہرست پیش کی اور ہر کتاب کا نام اور اس پر تعارفی تبصرہ کیا۔ اس لٹریچر کے تیار کرنے والے علماء

[1] اب متعدد مسلم ممالک اور غیر مسلم دنیا میں بھی غیر سودی بنک قائم ہو چکے ہیں۔ اس کتاب میں اس پر آپ کو ایک الگ مضمون میں ان میں سے چند بنکوں کی تفصیلات مل جائیں گی۔

و مشائخ نہیں، بلکہ ماہرین اقتصادیات ہیں جن کے سامنے معاشی نظاموں کی تازہ ترین تبدیلیاں ہیں۔ اور جو سودی نظام کے اندر اتر کر اس کی برائیوں اور تباہ کاریوں کے ایک ایک پہلو کو جھانک چکے ہیں۔

مکہ معظمہ کی اسلامی اقتصادی کانفرنس اس لحاظ سے تاریخ حاضر کا ایک غیر معمولی واقعہ ہے۔ اس میں دنیا بھر کے مسلمان ماہرین معاشیات جمع تھے۔ ان سب نے بالاجماع یہ اعلان کیا کہ سود ہر نوعیت کا حرام ہے۔ انہوں نے اسلام کے معاشی نظام کے چار اصول بیان کئے۔

الف: انسان کے پاس جو دولت و ذرائع ہیں وہ اللہ کی ملکیت ہیں۔

ب: انسان اس دولت اور ان ذرائع کا امین ہے۔

ج: اسلام یہ پابندی عائد کرتا ہے کہ انسان جو دولت کمائے جائز ذریعے سے کمائے۔

د: اور یہ پابندی بھی عائد کرتا ہے کہ جو دولت خرچ کرے جائز راستوں پر خرچ کرے۔

یہ باتیں کسی مسجد کے خطیب یا قدوری کے معلم یا دار الافتاء کے مفتی کی نہیں ہیں۔ یہ باتیں ڈاکٹر محمد صقر کی ہیں جو اردن کی فیکلٹی آف اکنامکس کے ڈین ہیں۔ ڈاکٹر فاروق النبہان کی ہیں جو جامعہ کویت میں لا کالج کے پروفیسر ہیں۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کی ہیں جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں معاشیات کے پروفیسر ہیں۔ یہ ڈاکٹر احسان رشید کی ہیں جو جامعہ کراچی کے وائس چانسلر ہیں۔ یہ ڈاکٹر صباح الدین زعیم کی ہیں جو استنبول یونیورسٹی میں کالج آف کامرس کے پرنسپل ہیں۔ یہ ڈاکٹر مہدی بن عبود کی ہیں جو عرب دنیا کا مانا ہوا فلاسفر ہے۔ یہ مسٹر نور سال کی ہیں جو اسٹیٹ کارپوریشن آف انڈونیشیا کا ڈائرکٹر ہے۔ یہ ڈاکٹر ازہر زاہری کی ہیں جو سنگاپور یونیورسٹی میں معاشیات کا پروفیسر ہے۔

تازہ خبر یہ ہے کہ ترکی کے نائب وزیر اعظم نجم الدین اربکان نے استنبول میں ایک تقریب میں تقریر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ترکی پاؤنڈ اس وقت تک اپنی ساکھ بحال نہیں کر سکتا اور ترکی کی اقتصادیات اس وقت تک ترقی بکنار نہیں ہو سکتیں جب تک ترکی کو سود کی لعنت سے پاک نہیں کیا جاتا۔

عملی اقدامات بھی کئے جا رہے ہیں۔ دوبئی میں ایک مسلمان تاجر سعید لوتاہ نے اسلامی بنک آف دبئی کے نام سے غیر سودی بنک جاری کر دیا ہے۔ اس کی تازہ سالانہ رپورٹ بڑی حوصلہ افزا آئی ہے۔ شاہ فیصل کے نیک دل لڑکے محمد الفیصل نے ایک غیر سودی بنک کھول دیا ہے۔ اسلامی ترقیاتی بنک بھی غیر سودی تجربہ ہے۔

۵— رؤیت ہلال

رؤیت ہلال ایک خالصتاً شرعی مسئلہ ہے۔ مولانا محترم اپنی رائے بیان کر چکے ہیں کہ ایک علاقے کے مسلمان دوسرے علاقے کی رؤیت کے پابند نہیں ہیں۔ بحث ابھی جاری ہے۔ رابطہ عالم اسلامی کو اصرار ہے کہ تمام دنیا کے مسلمان ایک ہی دن میں رمضان کا آغاز کریں اور ایک ہی دن عید کریں۔ بہر حال شیخ مودودیؒ کی بات یونہی ٹال دینا آسان نہیں ہے۔

۶— قادیانیت

ایک اور اہم بات جسے میں نے فقہی اثرات کے تحت ہی درج کر لیا ہے وہ ہے مسئلہ قادیانیت۔

۱۹۶۰ء کی بات ہے کہ مولانا محترم نے سعودی عرب کے ایک ممتاز عالم دین سے قادیانیوں کی جھوٹی نبوت کے بارے میں بات کی اور ان کے کفر و ضلالت کے خلاف

سعودی عرب کے اندر آواز اٹھانے کی ضرورت محسوس کرائی تو شیخ موصوف نے جواب دیا کہ قادیانی تو غلام احمد کو صرف نبی مانتے ہیں، مگر کچھ فرقے تو حضرت علیؓ کو خدا مانتے ہیں۔ "فہم اکثر خطرا واشد ضلالۃ" یہی شیخ آج شب و روز قادیانیوں کے خلاف برسر پیکار ہیں۔

مولانا محترم ۱۹۶۰ء سے مسلسل گفت و شنید کے ذریعہ، خط و کتابت کے ساتھ اور رابطہ عالم اسلامی کے پلیٹ فارم سے سعودی حکمرانوں کو قادیانیوں کے فتنے اور سازشوں سے آگاہ کرتے رہے ہیں۔ ۱۹۶۵ء تک یہ جدوجہد جاری رہی۔ ۱۹۶۵ء کو جب ظفر اللہ خاں حج پر گیا تو اس پر سفیر سعودی کے ذریعے مولانا محترم نے شاہ فیصل سے پرزور احتجاج کیا۔ اور یہ بحث یہاں ختم ہوئی کہ سفیر سعودی نے اعتراف کیا کہ یہ میری غلطی ہے۔ کیوں کہ ظفر اللہ خان کو میں نے کراچی سے ویزہ جاری کیا تھا۔ اس میں شاہ فیصل کا قطعاً کوئی ہاتھ نہیں ہے۔

یہ بات بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ قادیانیت کے خلاف سب سے پہلی تحریر عرب دنیا کے سامنے لانے والے مولانا مودودیؒ ہیں۔ ۱۹۵۳ء میں عربی زبان میں قادیانی مسئلہ پہلے شام کے ایک ماہنامہ "التمدن الاسلامی" میں چھپا اور پھر قاہرہ میں اخوان المسلمین نے اسے الگ پمفلٹ فارم میں چھاپا۔ اسی طرح تینوں بیانات بھی عربی میں چھپے۔ عرب ممالک کو اس موضوع کی اہمیت کا احساس اس بنا پر ہوا کہ قادیانی مسئلہ وہ پمفلٹ ہے جس کی تصنیف پر مصنف کو موت کی سزا سنائی گئی تھی۔ اس سزا کے خلاف شام، مصر، عراق اور دوسرے ممالک میں احتجاج بھی ہوا۔ اس کے بعد مصر کے مرحوم شیخ الازہر خضر حسین اور پھر مصر کے مفتی اعظم شیخ حسنین مخلوف نے قادیانیوں کے کافر و گمراہ ہونے پر مضامین لکھے۔ اور اب راقم کو حالیہ سفر میں یہ بھی معلوم ہوا کہ اسی زمانے میں یوگوسلاویہ کے اندر ایک یوگوسلاوی مسلمان قاسم دوبراجا نے بھی قادیانیوں کے خلاف مضمون لکھا

تھا۔ قاسم دوبراجا سے ۱۹۷۴ء میں حج میں راقم کی ملاقات ہوئی۔ اور ان کے پاس وہ قدیم تحریر بھی دیکھی جو قادیانیوں کے خلاف انہوں نے لکھی تھی۔

عرض یہ کر رہا ہوں کہ مولانا مودودیؒ وہ پہلے انسان ہیں جو قادیانیوں کا کیس لے کر عالم اسلام کے پاس گئے۔ چنانچہ قادیانیوں نے عرب دنیا میں مولانا مودودیؒ اور جماعت اسلامی کے خلاف اپنے اسرائیل کے مرکز سے پروپیگنڈا شروع کر دیا "المودودی فی المیزان" کے نام سے عربی میں شام میں ایک کتاب انہوں نے تقسیم کی۔ دمشق میں ان کا ایک مرکز بھی تھا۔ اور شام کے محکمہ کسٹم کے دو ایک ملازم ان کے ہم نوا تھے جب انہوں نے مولانا محترم کے خلاف پروپیگنڈے کا آغاز کیا تو شامی اخوان نے اس کا نوٹس لیا۔ اور بالآخر شام کے مرحوم مفتی اعظم شیخ ابوالیسر عابدین نے فتویٰ جاری کیا کہ —— قادیانی مرتد ہیں —— اس فتوے کے بعد دمشق کا قادیانی مرکز سربمہر کر دیا گیا۔ انہی دنوں ایک شامی عالم خیر اللہ قادری نے قادیانیت کے خلاف ایک کتابچہ لکھا اور پہلی مرتبہ انہوں نے یہ راز فاش کیا کہ قادیانی اسرائیل سے ملے ہوئے ہیں اور بیت المقدس اور حیفا میں ان کے مشن ہیں۔[1]

شاہ فیصل کی یہ خوبی قابلِ ذکر ہے کہ وہ اپنے آخری ایام میں قادیانیوں کے شدید خلاف ہو گئے تھے۔ رابطہ عالم اسلامی نے ۱۹۷۴ء میں مؤتمر المنظمات میں جو قرارداد قادیانیوں کے خلاف منظور کی تھی وہ بھی سعودی حکومت کی طرف سے لائی گئی تھی۔ اس قرارداد کے بعد پاکستان میں اسلامی جمعیت طلبا کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کے بعد قادیانیت کو یہاں ضرب کاری لگی اور وہ دستوری طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دی گئی۔ حکومت پاکستان یہ فیصلہ کرنے کے بعد منقار زیرپر ہو گئی ہے، مگر رابطہ عالم اسلامی پورے

۱؎ آج بھی قادیانی پوری طرح اسرائیل کا ساتھ دے رہے ہیں۔ جبل الکرمل میں ان کا سنٹر ہے۔

جوش و خروش سے اس کے خلاف جنگ کر رہا ہے۔[1]

مولانا محترم کا یہ پمفلٹ قادیانی مسئلہ رابطہ نے دنیا کی دس زبانوں میں لاکھوں کی تعداد میں تقسیم کیا ہے۔ اور ابھی تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

۱۹۷۴ء کے حج میں جناب پروفیسر عبدالغفور احمد صاحب نے رابطہ کے پلیٹ فارم پر قادیانیوں کے خلاف انگریزی میں تقریر کی جس کا عربی، اردو اور انڈونیشی زبانوں میں ساتھ ساتھ ترجمہ نشر ہوا۔ یہی تقریر انگریزی میں رابطہ کے انگریزی مجلہ اور عربی میں رابطہ کے ہفت روزہ اخبار العالم الاسلامی میں چھپی۔ عرب ممالک کے بعض دوسرے جرائد نے بھی اسے نقل کیا۔ اس تقریر کی چوٹ ظفر اللہ خاں نے لندن میں بیٹھ کر محسوس کی۔ اور اب وہاں اس نے رابطہ عالم اسلامی اور پروفیسر صاحب کے خلاف مقدمہ دائرہ کر رکھا ہے۔[2]

سعودی عرب اور پاکستان کے بعد ملائشیا، اردن، نائیجیریا اور متحدہ عرب امارات نے قادیانیوں کو سرکاری طور پر غیر مسلم فرقہ قرار دے دیا ہے۔

۳ تا ۵ مئی ۱۹۷۶ء کو رابطہ عالم اسلامی نے موریطانیہ میں افریقہ کی اسلامی تنظیموں کی

۱؎ جنوبی افریقہ میں قادیانیوں نے عدالت میں یہ مقدمہ دائر کر رکھا ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں اپنے مردے دفن کرنے کا حق ہے۔ اس مقدمے میں مسلمانوں کا موقف پیش کرنے کے لئے رابطہ عالم اسلامی نے بھرپور جدوجہد کی ہے اور متعدد مسلمان علماء اور قانون دانوں کی خدمات حاصل کر کے جنوبی افریقہ کی عدالت میں قادیانوں کی حقیقت بے نقاب کرنے کے لئے بھیجا ہے۔

۲؎ ظفر اللہ خان مر چکا ہے۔ رابطہ عالم اسلامی نے ظفر اللہ خان کے جواب میں یہ کیس سعودی عرب کی عدالت میں پیش کرنے کی دھمکی دی تھی۔ پھر معاملہ آگے نہ بڑھ سکا۔

کانفرنس منعقد کی ہے۔ اس میں ۳۵ افریقی ممالک کے نمائندے شریک ہوئے ہیں۔ اس میں بھی قادیانیت کے خلاف قرارداد پاس کی گئی ہے۔ اور افریقہ اور دنیا کے دیگر حصوں میں ان کا قلع قمع کرنے کے لئے مختلف منصوبے تیار کئے گئے ہیں۔ امید ہے اب افریقہ میں بھی ان کا خاتمہ ہو جائے گا۔ قادیانیوں کے مراکز کے بارے میں موریطانیہ کانفرنس میں جو رپورٹ پیش کی گئی ہے اس کی رو سے:

- نائیجیریا میں قادیانیوں کی ایک سو مسجدیں ہیں اور ایک ہفت روزہ۔
- گھانا میں ۱۰۸ مسجدیں ہیں۔
- انڈونیشیا میں ان کی ۷۰ مسجدیں ہیں اور دو ماہنامے۔ ایک مردوں کے لیے اور دوسرا عورتوں کے لئے۔
- مارشس میں ان کی ۷ مسجدیں ہیں اور ان کی تعداد چار ہزار ہے۔
- سیرالیون میں ان کی ایک مسجد ہے۔
- جرمنی میں ان کی تین مسجدیں ہیں۔
- انگلستان میں بھی ۳ مسجدیں ہیں۔
- ٹرینی داد میں ۴ مسجدیں ہیں اور "احمدیت" کے نام سے ایک ماہنامہ ہے۔
- جزائر فجی کے اندر ان کی ۷ مسجدیں ہیں۔
- دُنیا کی گیارہ زبانوں میں ان کے قرآن کریم کے تراجم چھپے ہیں۔ رابطہ نے ان تراجم کے بارے میں متعلقہ زبان جاننے والے علماء سے موثر کارروائی کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ مثلاً یوربا زبان کا ترجمہ یہ لوگ دوبارہ چھاپ رہے تھے۔ رابطہ نے اپنے ذرائع سے اسے رکوا دیا ہے۔ ان کے تراجم ان زبانوں میں ہیں: اردو، انگریزی، جرمن، ڈچ،

اوگنڈی، انڈونیشی، ڈینش، یوربا، سواحلی، اسپرانٹو۔[1]

تحریکی اثرات

دنیا پر جماعت اسلامی نے تیسری نوعیت کا جو اثر ڈالا وہ طریق کار اور نظم جماعت کے بارے میں ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل امور خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں:

جمہوری طریق انتخاب

اسلامی انقلاب عہدِ حاضر میں صرف جمہوری اور آئینی راستہ سے برپا ہوگا۔ اس غرض کے لئے جماعت نے یہ چار نکات اختیار کیے ہیں۔

الف: تطہیر افکار

ب: صالح افراد کی تنظیم

ج: اصلاح معاشرہ

د: اصلاح حکومت

---

[1] قادیانیوں کو دنیا کے یہودیوں کی مکمل حمایت حاصل ہے راقم جنوری ۱۹۸۹ء میں ٹورنٹو کینیڈا میں تھا۔ وہاں قادیانی اپنی کانفرنس کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ وہاں کے یہودی اور یہود نواز اخبارات اور لیڈر اور سرکاری حلقے ان کا بھرپور ساتھ دے رہے تھے۔ ٹورنٹو میں رابطہ عالم اسلامی کے دفتر کے انچارج عرفات کامل العشی نے مجھے بتایا کہ وہ بھی کوشش کر رہے ہیں کہ اس موقع پر ایسا لٹریچر تقسیم کریں جو کم از کم مقامی مسلمانوں کو اس فتنے کے سمجھنے میں مدد دے۔ شکاگو (شمالی امریکہ) میں بھی قادیانیوں نے ایک اجتماع کیا اور مقامی مسلمانوں نے اس کا اثر زائل کرنے کی کوشش کی۔ عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس وقت یہودیوں کی لابی پوری طرح قادیانیوں کا ساتھ دے رہی ہے اور ان کے ذریعے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرنا چاہتی ہے۔

جماعت نے ان نکات کو اسلام کے غلبہ واحیاء کے لئے فطری راستہ قرار دیا ہے۔

یہ موضوع اسلامی تحریکوں اور علی الخصوص اخوان المسلمون کے حلقوں میں شدّت کے ساتھ زیر بحث رہا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ مولانا محترم جتنی مرتبہ بیرونی دوروں پر تشریف لے گئے ہیں ہر مرتبہ ان سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا اسلام مسلح انقلاب کے خلاف ہے؟ مولانا محترم اس سوال کا بڑے حوصلے کے ساتھ سامنا کرتے رہے ہیں۔ اور بڑی وضاحت کے ساتھ جوابات دیتے رہے ہیں۔ اور اب محترم امیر جماعت میاں طفیل محمد اور جماعت کے دیگر زعماء جو بیرونی دوروں پر جاتے رہے ہیں اس امر کا اندازہ کر رہے ہیں کہ کس طرح یہ سوال ذہنوں کے اندر کھٹکتا رہتا ہے۔[1]

اس کے ساتھ ہی ملتا جلتا یہ نکتہ بھی جماعت کی طرف سے پوری قوت کے ساتھ

---

[1] مسلح انقلاب کی ایک کوشش ۱۹۸۲ء میں شام میں ہو چکی ہے جس کے اثرات اب تک نہیں ختم ہوئے۔ اس کوشش میں ۳۰ ہزار افراد شہید ہوئے جن میں ۱۰ ہزار تحریک کے فعال کارکن تھے۔ اور ہزارہا کی تعداد میں مرد و عورت اب تک جیلوں میں پڑے ہیں۔ سینکڑوں جیل کے اندر ہی نشانہ تعذیب بن کر جام شہادت نوش کر گئے ہیں۔ شام کا اسلامی شہر حماۃ گولہ باری سے تباہ ہو گیا۔ ہزاروں کی تعداد میں حماۃ اور دوسرے شہروں حمص، دیر الزور اور حلب کے لوگ ہجرت کر گئے۔ انھیں ابھی تعلیم اور روزگار کے سلسلے میں طرح طرح کے مصائب کا سامنا ہے۔ اللہ تعالیٰ شہداء کی روحوں کو سکون بخشے۔ ان کے وارثوں کو اجر جزیل اور صبر طویل عطا فرمائے اور ظالموں سے وہ انتقام لے جس کے مستحق ہیں۔ اللہ نے چاہا تو شامیوں کی آزمائش جلد ہی ختم ہو گی۔ الیس الصبح بقریب۔

شام کی حکومت جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے اس کا اندازہ اس بات سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۱۔ اکتوبر ۱۹۸۹ء کو ایک شامی ہوا باز شام کا مگ طیارہ لے کر اسرائیل میں جا پناہ لیتا ہے۔ (مصنف)

پیش کیا گیا اور کیا جاتا ہے کہ احیائے اسلام کی جدوجہد خفیہ نہیں اعلانیہ ہونی چاہئے۔ خفیہ طریق کار کی جماعت سخت مخالف ہے۔

جماعت کے لٹریچر سے تو جماعت کا مزاج ثابت ہے کہ وہ تشدد اور خفیہ اسلوب کی قائل نہیں ہے۔ مگر مولانا محترم نے ۱۹۶۳ء میں ان دونوں نکتوں پر اپنی تقریر میں خاص طور پر پوری قوت سے روشنی ڈالی جو مکہ معظمہ میں مسجد دھلوی میں "عہد حاضر میں نوجوانوں کے فرائض" (واجب الشباب المسلم الیوم) کے عنوان سے کی۔ یہ تقریر عالم عرب کے پریس میں چھپی۔ اور پھر کتابچہ کی صورت میں ہزارہا کی تعداد میں چھپ کر تقسیم ہوتی رہی اور ہو رہی ہے۔

اس تقریر کے بعد ردِعمل ابھرا اور مجلسوں کے اندر اس پر بحثیں ہوئی۔ ۱۹۶۹ء میں مدینہ منورہ کے اندر ایک وسیع مجلس میں مولانا محترم سے ایک صاحب نے کھڑے ہو کر یہی سوال کیا۔ مولانا نے فرمایا: "میری رائے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ میں بارہا اسے بیان کر چکا ہوں۔" وہ صاحب مصر رہے کہ مولانا ضرور دو ٹوک لفظوں میں محفل کو بتائیں کہ اسلامی انقلاب کے لئے طاقت کا استعمال جائز ہے یا ناجائز۔ مولانا نے عاجز آکر یہ الزامی جواب دیا کہ "جو شخص طاقت کا استعمال کرنا چاہتا ہو وہ یوں محفلوں میں اسے علی رؤوس الاشہاد موضوع سخن نہیں بناتا۔"

اب دنیا کے اندر جتنی اسلامی تحریکیں ہیں، اس امر کی قائل ہو چکی ہیں کہ وہی طریق انقلاب صحت مندانہ اور بابرکت ہے جو جماعت اسلامی نے اختیار کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جن اسلامی تحریکوں نے خفیہ طریق کو اپنانے کی کوشش کی ہے وہ نہ صرف یہ کہ کامیاب نہیں ہوئی ہیں، بلکہ وہ اپنے متعدد قیمتی انسانوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں اور آئندہ کے لئے جدوجہد کا دروازہ بند ہو گیا۔ خواہ عارضی طور پر ہی سہی۔ ہم دنیا کے اندر اصلاح کا پیغام لے کر اٹھے ہیں۔ فساد کے داعی نہیں ہیں۔ جماعت اسلامی

کی ترقی و بقا کا راز ہی یہ ہے کہ اس نے یہ صحت مندانہ راستہ اختیار کیا۔ اگر خدا نخواستہ یہ بھی کوئی ایسا غلط اقدام کر بیٹھتی تو کیا آج اس کا وجود باقی ہوتا۔ جو تحریک علم و اخلاق کے ہتھیاروں سے انسانوں کو سرنگوں نہ کر سکی وہ تلوار سے کیا اور کب تک انسانیت کی خدمت کر سکے گی[1]۔

مضبوط تنظیم

جماعت اسلامی نے تحریکی میدان میں دنیا کو دوسرا سبق یہ دیا کہ تحریک کو تنظیم کے لحاظ سے دنیا کی مثالی جماعت ہونا چاہیے۔ اور اپنی تنظیم کے ذریعے ان بنیادی اصولوں کی عملی مشق کرانی چاہیے جن کی وہ علمبردار ہے۔ مثلاً جمہوریت، کارکنوں اور ذمہ داروں کے حدود و اختیارات کا تعین، دستوری التزامات و فرائض اور منصب کی امیدواری کا خاتمہ۔ اس مثال کو دنیا کی تمام اسلامی تحریکوں نے اختیار کیا ہے۔ اخوان کے ہاں مکتب ارشاد کے نام سے ایک اعلیٰ ادارہ قائم تھا، مگر اس ادارے کا یہ حال ہوا کہ حسن البناؒ کی شہادت کے بعد نئے مرشد عام کے انتخاب کا وقت آیا تو مکتب ارشاد میں شدید پھوٹ پڑی۔ اس کے نتیجے میں صالح عشماوی، احمد حسن باقوری، سید سابق اور

---

[1] تاہم اصولاً ہم اس بات کے قائل ہیں کہ ہمارا نصب العین (اقامت دین) ایک حکم منصوص ہے اور ناقابل تغیر۔ اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو دی ہے اور تعلیم آخری نبی کے ذریعے امت محمدیہ کو دی گئی ہے۔ جہاں تک اس نصب العین کو بروئے کار لانے کے لئے طریق کا تعلق ہے وہ امر اجتہادی ہے۔ شریعت کی حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے زمانے کے حالات و ظروف کے تحت اسے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اس میں یہ بنیادی شرط ہے کہ جو طریق کار اختیار کیا جائے وہ اصلاح پر منتج ہو فساد فی الارض کا موجب نہ ہو۔

محمد الغزالی جیسے مکتب ارشاد کے نمایاں ارکان نے اپنے اپنے لئے تگ و دو شروع کر دی اور جب کامیاب نہ ہوئے تو حیلے بہانے کر کے جماعت سے نکل گئے۔ بلکہ ہم نے یہ تک سنا ہے کہ "اخوان کو دشمنوں نے اتنا نقصان نہیں پہنچایا جتنا دوستوں نے پہنچایا ہے"۔

شورائیت

تیسری بات جو تحریکی میدان میں جماعت نے اختیار کی وہ شورائیت ہے یعنی یہ بات کہ کیا امیر شوریٰ کا پابند ہے یا نہیں۔ اسے عربی میں ان لفظوں میں بیان کیا جا رہا ہے کہ "ھل الشوریٰ ملزمۃ"؟ کیا شوریٰ کا فیصلہ امیر پر لازم ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ مولانا محترم شروع میں خود اس رائے کے قائل تھے کہ از روئے شریعت امیر شوریٰ کا پابند نہیں ہے۔ شوریٰ اور امیر کے مابین اگر تصادم ہو جائے تو امیر کی رائے باقی رہے گی۔ شوریٰ کو امیر کے آگے جھکنا ہوگا۔ مگر بعد کے مطالعہ کی روشنی میں مولانا نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔ جماعت اسلامی جس اصول کی پابند اور علمبردار ہے وہ یہ ہے کہ شوریٰ امیر کی نہیں امیر شوریٰ کا پابند ہے۔ یہ جمہوریت کا اصول ہے۔ اور اگر دونوں میں کبھی تصادم ہو جائے تو دستور جماعت کے پاس اس کا حل موجود ہے۔

اخوان المسلمون اور ان سے متاثر تنظیموں میں یہی طریقہ رائج رہا ہے کہ "مرشد عام" سب کچھ ہے۔ اس طریقے نے ان کے اندر بڑے تنظیمی مسائل پیدا کر دیئے۔ اور بعض جگہ سخت خرابیاں پیدا ہوئیں جو تحریک کے وجود کے لئے خطرہ بنتی رہیں۔ آج سے دو سال قبل جماعت اسلامی لبنان کے جریدۃ الشہاب نے اسے اٹھایا۔ اور دمشق کے حضارۃ الاسلام نے اس میں خوب حصّہ لیا۔ مولانا محترم کی رائے دونوں نقل کرتے رہے۔

یورپ اور امریکہ میں طلباء اور نوجوانوں کی تنظیمیں اور دنیا کی دیگر متعدد اسلامی تحریکیں اب دستور اور شوریٰ کے باب میں جماعت اسلامی کے رنگ میں رنگی ہوئی ہیں۔

مصر میں اخوان اب دوبارہ اُٹھ رہے ہیں، اُمید ہے کہ ان کی نئی زندگی پچھلی کوتاہیوں اور نقائص کی تلافی کرے گی۔

اصلاحی اثرات

ریاض میں عربوں کے اجتماع میں ایک نوجوان کہنے لگا:

"مولانا مودودیؒ اور دوسروں کی تحریروں میں یہ فرق ہے کہ دوسروں کی کتابیں مطالعہ کر کے ذہنی و فکری غذا حاصل ہوجاتی ہے، مگر مولانا مودودیؒ کے لٹریچر کے مطالعہ سے نیند غائب ہوجاتی ہے"۔

پچھلے ۱۵، ۲۰ سالوں میں عالم اسلام کی نئی نسل کا ایک حصہ چار مصنفوں کے اردگرد گھومتا رہا ہے۔ ایک الجزائر کے مرحوم اسلامی مفکر مالک بن نبی۔ انہوں نے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اپنے مخصوص انداز میں عربی اور فرانسیسی زبانوں میں فکر انگیز کتابیں لکھی ہیں۔ دوسرے سید قطبؒ جن کی قلندرانہ حدی خوانی اور مجاہدانہ شعلہ نوائی نے عربوں کے اوپر بڑا اثر ڈالا ہے۔ علی الخصوص ان کی تفسیر "فی ظلال القرآن" کی بڑی اشاعت ہوئی۔ اب تک دس لاکھ کی تعداد میں تقسیم ہوچکی ہے۔ تیسرے مولانا ابوالحسن علی ندوی۔ یہ خود عربی زبان کے صاحب طراز انشا پرداز ہیں اور زبان کی چاشنی اور لطف بیان کی وجہ سے عربی داں حلقوں سے داد پاتے رہتے ہیں۔ اور چوتھے مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ۔

اہل علم ان چاروں اصحاب کی صف بندی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مالک بن نبی فیلسوف، مولانا ابوالحسن علی ندوی صوفی، سیّد قطب مجاہد اور مودودی فی القمۃ (چوٹی کا انسان)۔ سیّد قطبؒ نے اپنی تحریروں میں اپنے آپ کو مولانا مودودیؒ کا شاگرد اور خوشہ چین لکھا ہے۔ خود سیّد نے جس کردار کا ثبوت پیش کیا ہے اس نے ان کی تحریریں کو زندہ جاوید کر دیا ہے۔ ان کے اپنے الفاظ میں "کسی مصنف کی تحریریں ایسی ہیں جیسی

خوبصورت مورتیاں۔ اور جب مصنف اپنے کردار و اصول پرستی کا مظاہرہ کرتا ہے تو ان مورتیوں کے اندر روح داخل ہوجاتی ہے"۔

میں آپ کو چند مثالوں کی روشنی میں مولانا مودودیؒ کے بارے میں علمائے عرب کے تاثرات پیش کرتا ہوں:

۱۔ ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی مرحوم شام میں اخوان المسلمون کے مراقب عام تھے۔ نہایت جلیل القدر اور دقیق النظر عالم تھے۔ تحریر و خطابت کے میدان میں قدرت نے انھیں بے پناہ صلاحیتوں سے نواز رکھا تھا۔ کئی علمی و تحریکی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ۱۹۶۵ء میں ان کا انتقال ہوگیا تھا۔ ان کی تصنیفات میں سب سے زیادہ شہرت رکھنے والی کتاب "السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی" ہے۔ راقم ۱۹۶۴ء کے حج میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں چند روز تک ان کی رفاقت میں رہا ہے۔ مرحوم فالج کے مریض تھے اور بڑے بڑے ڈاکٹروں سے علاج معالجے کے بعد وہ مدینہ منورہ میں مقیم ہوگئے۔ ان کے الفاظ یہ تھے کہ "مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی حاضری اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب ذریعۂ شفا ہے"۔

مولانا مودودیؒ ان دنوں اپنے رفقاء سمیت جیل میں تھے۔ اور جماعت اسلامی خلاف قانون تھی۔ سباعی مرحوم پر اس بات کا شدید اثر تھا۔ ایک روز مرحوم نے مولانا مودودیؒ کے ساتھ اپنی عقیدت و محبّت کی داستان چھیڑ دی۔ دوران گفتگو فرمانے لگے کہ مجھے مولانا محترم کا ایک نکتہ ایسا پسند آیا ہے کہ اگر مولانا محترم وہ نکتہ مجھے عنایت فرمادیں اور اس کے عوض مجھ سے میری تصنیف "السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی" (سنّت رسول اور شریعت اسلامی میں اس کا مرتبہ و مقام) اور دیگر تصنیفات لے لیں تو میری بڑی خوش قسمتی ہوگی۔ وہ نکتہ کیا ہے؟ خاکسار ذہن کے گھوڑے دوڑانے لگ گیا۔ وہ خود ہی فرمانے لگے کہ ایک مشہور حدیث "السلطان ظل اللہ" کا مطلب اسلامی تاریخ کے اندر جو اختیار کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ حکمران، اللہ کا سایہ ہے: "من اکرمہ اکرمہ اللہ ومن اہانہ اہانہ اللہ"۔

(جو حکمران کی توقیر کرے گا وہ خدا کی توقیر کرے گا اور جس نے حکمران کی توہین کی اس نے خدا کی توہین کی)۔ گویا اس قول کا رخ رعایا کی طرف ہے جسے حکمران کی اطاعت و فرمانبر داری کی تاکید کی گئی ہے۔ مگر مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں کہ اس قول کا رُخ رعایا کی طرف نہیں ہے۔ خود حکمران مراد ہیں۔ یہ بات مولانا محترم نے "تاریخ تجدید واحیائے دین" میں ایک جگہ حاشئے میں بیان کی ہے۔ مولانا محترم کا ارشاد ہے:

"اس میں شک نہیں کہ حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ مگر لوگوں نے ان کا بالکل غلط مفہوم لیا ہے۔ عربی زبان میں سلطان کے اصل معنی اقتدار کے ہیں۔ صاحب اقتدار کے لئے تو یہ لفظ محض مجازاً استعمال ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کو اس کے اصل معنی میں استعمال فرمایا ہے نہ کہ مجازی معنی میں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا منشاء یہ ہے کہ حکومت واقتدار درحقیقت اللہ تعالیٰ کے اقتدار کا ایک پرتو ہے جس شخص پر یہ پرتو ڈالا جائے وہ اگر اس کی عزّت کو ملحوظ رکھے گا یعنی حق وانصاف کے مطابق حکومت کرے گا تو اللہ اسے عزّت دے گا۔ اور جو شخص اس سایۂ الٰہی کی اہانت کرے گا یعنی ظلم اور نفس پرستی کے ساتھ حکومت کرے گا اللہ اس کو ذلیل کر دے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکیمانہ ارشاد کو توڑ مروڑ کر لوگوں نے بادشاہوں کو ظل اللہ قرار دے لیا اور حضورؐ کے منشا کے بالکل خلاف اسے بادشاہ پرستی کے لئے ایک مذہبی بنیاد بنا ڈالا"

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی مرحوم اس نکتے کو بیان کرتے ہوئے بڑے وجد کے ساتھ سر دھنتے رہے۔ اور فرماتے رہے کہ بے شک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے اندر انسان کی نہیں اللہ کی بادشاہت قائم کرنے کے لئے تشریف لائے تھے۔

۲ــــ مدینہ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے مولانا مودودیؒ کے اس تشریحی نوٹ کو جو مولانا نے سورۂ نور میں آیت "اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" کے تحت رقم فرمایا ہے، یوں خراج تحسین پیش کیا ہے کہ: مولانا محترم نے جب یہ نوٹ تحریر فرمایا تھا تو گویا وہ اس

وقت کسی اور دنیا میں غرق تھے۔ وہاں سے موصوف اپنا قلم ترکر کے لائے اور پھر یہ نوٹ تحریر کیا[1]۔ راقم نے جب پروفیسر موصوف کو شدّت جذبات کے ساتھ اس نوٹ کی تحسین کرتے سُنا تو واپس آکر اسے پڑھا تو پروفیسر موصوف کے تاثرات کو بالکل برحق پایا وہ نوٹ مختصر سا ہے، لیکن اس کی بلندی قاری کو محو حیرت کر دیتی ہے۔

قارئین کی سہولت کے لئے آیت اور اس کا تشریحی نوٹ درج ذیل ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۝ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ ـــــ الخ

ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ (کائنات میں) اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہو، چراغ ایک فانوس میں ہو، فانوس کا حال یہ ہو کہ موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا۔

نوٹ: اس تمثیل میں چراغ سے اللہ تعالیٰ کی ذات کو اور طاق سے کائنات کو تشبیہ دی گئی ہے۔ اور فانوس سے مراد وہ پردہ ہے جس میں حضرت حق نے اپنے آپ کو نگاہ خلق سے چھپا رکھا ہے۔ گویا یہ پردہ فی الحقیقت خفا کا نہیں، شدت ظہور کا پردہ ہے۔ نگاہ خلق جو اس کو دیکھنے سے عاجز ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ درمیان میں تاریکی حائل ہے، بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ درمیان کا پردہ شفاف ہے اور اس شفاف پردے سے گزر کر آنے والا نور ایسا شدید وبسیط اور محیط ہے کہ محدود طاقت رکھنے والی بینائیاں اس کا ادراک کرنے سے عاجز رہ گئی ہیں۔ یہ کمزور بینائیاں صرف ان محدود روشنیوں کا ادراک کر سکتی ہیں جن کے اندر کمی وبیشی ہوتی رہتی ہے جو کبھی زائل ہوتی ہیں اور کبھی پیدا ہو جاتی ہیں، جن کے مقابلے میں کوئی تاریکی موجود ہوتی ہے اور اپنی ضد

[1] مولانا مودودیؒ نے سورۂ نور کی تفسیر اس وقت لکھی تھی جب وہ ملتان جیل میں قید تھے۔

کے سامنے آکر وہ نمایاں ہوتی ہیں۔ لیکن نورِ مطلق جس کا کوئی مد مقابل نہیں، جو کبھی زائل نہیں ہوتا، جو سدا ایک ہی شان سے ہر طرف چھایا رہتا ہے، اس کا ادراک ان کے بس سے باہر ہے ——————— (تفہیم القرآن جلد چہارم، ص ۴۰۷، ۴۰۸)

۳—— علّامہ محمّد البشیر الابراہیمی الجزائر کے نامور عالم دین، نڈر مجاہد اور اعلیٰ درجے کے خطیب و ادیب تھے۔ ۱۹۵۳ء میں جب پنجاب میں قادیانیوں کے خلاف تحریک برپا ہوئی تھی اور مولانا مودودیؒ کو قادیانی مسئلہ لکھنے پر فوجی عدالت کی طرف سے پہلے سزائے موت سُنائی گئی اور پھر اسے عمر قید میں تبدیل کیا اس سزا کے خلاف عالم اسلامی میں شدید احتجاج ہوا۔ علامہ ابراہیمی نے الجزائر سے غلام محمد گورنر جنرل کے نام ۱۱۵ الفاظ پر مشتمل جو احتجاجی برقیہ بھیجا تھا اس میں کہا تھا:

"مولانا مودودی کو سزائے موت دے کر تم ایک شخص کو ختم نہیں کرو گے، بلکہ اسلام کی تلواروں میں سے ایک تلوار توڑ کر رکھ دو گے، اسلام کی ایک گرجدار آواز کو دبا دو گے، اسلام کے ایک روشن باب کا خاتمہ کر دو گے۔ اس سے اعدائے اسلام کے سوا کسی کو خوشی نہ ہوگی۔ ——————"

۴—— شیخ صالح فارسی کینیا کے قاضی القضاۃ ایک طویل قصیدے میں جو انہوں نے مولانا مودودی کی شان میں نظم فرمایا ہے کہتے ہیں:

جمعت شتات الفضل اذ انت کامل

فای کمال فیك لم یکتمل

ترجمہ: آپ کے اندر مختلف خوبیاں جمع ہیں۔ آپ کامل جو ٹھیرے۔ کونسا کمال ہے جو آپ کے اندر بام کمال کو نہیں پہنچا۔

وانتم حماۃ للمسلمین من الردی

وانتم لدین اللہ اعظم معقل

ترجمہ: آپ مسلمانوں کو بربادی سے بچانے والے ہیں۔ اور اللہ کے دین کی ایک عظیم پناہ گاہ ہیں۔

وانتم ھداۃ الخلق شرقاً وغربا

شمالا وجنوبا فیکم الحق قد جلی

ترجمہ: آپ خلق خدا کے پیشوا ہیں، مشرق میں بھی اور مغرب میں بھی، شمال میں بھی اور جنوب میں بھی۔ آپ کی کوششوں سے حق کو جلا نصیب ہوئی۔

ولیس لھذا النور خسف لأنہ

بنور الہ العرش جد موصل

ترجمہ: یہ روشنی ماند نہیں ہونے والی ہے۔ اس لیے کہ خداوند عرش کے نور سے اس کا مضبوط رشتہ ہے۔

۵—— استاذ عصام العطار شام کے اخوانی رہنما ہیں۔ ۱۹۶۴ء سے جلا وطن ہیں۔ اور آجکل آخن (جرمنی) میں رہ رہے ہیں۔ اور وہاں بیٹھے ہوئے دعوت حق کی اشاعت کر رہے ہیں۔ ان کی زیر ادارت "الرائد" کے نام سے ایک عربی ماہنامہ بھی نکل رہا ہے۔ یورپ کے اندر ان کی دعوتی اور تربیتی مساعی نوجوانوں کے اندر خاصی بار آور ہو رہی ہیں۔ مولانا مودودیؒ کے بارے میں ان کی ایک نظم کا شعر ملاحظہ ہو:

انت المنارۃ للاسلام ان خطبت

سفینۃ الفکر فی داج من الریب

ترجمہ: جب فکر و نظر کے سفینے شکوک و شبہات کی موجوں میں ٹکرانے لگتے ہیں تو اے سید مودودی تو روشنی کا مینار بن کر سامنے آجاتا ہے۔

۶—— حسن بن یحیٰ الذاری، یمن کی وزارت تعلیم کے انسپکٹر جنرل نے مولانا مودودیؒ اور جماعت اسلامی کے بارے میں کئی نظمیں لکھی ہیں۔ شوکت اسلام کے جلوس پر انہوں نے

جو نظم لکھی تھی اس کے چند شعر ملاحظہ ہوں :

یا المجد الاسلام یا للخلود

ازتجلی فی موکب المودودی

ترجمہ: یہ شوکتِ اسلام زندہ جاوید تحریک! کس شان سے مودودی کے جلوس میں اس کا ظہور ہوا۔

رائد الفکر بل موسسه البانی

صرح الایمان والتجدید

ترجمہ: مولانا مودودی ایک فکری راہنما ہیں۔ بلکہ فکری تحریک کے موسس ہیں۔ اور ایمان وتجدید کی عمارت کے معمار ہیں۔

خشع الکون فی جلال (ابی الاعلیٰ)

لما تبذلون من مجهوز

ترجمہ: اے ابوالاعلیٰ! دُنیا اپنی ہیبت وشکوہ کے جلو میں تمہاری کوششوں کے آگے سرنگوں ہو گئی ہے۔

تحریکِ اسلامی دنیائے اسلام میں

محترم رفقاء!

اس موقع پر پوری دنیائے اسلام کے اندر اسلامی دعوت کی رفتار کار اور اثرات کا جائزہ لینا بہت مشکل ہے۔ البتہ چند اہم ممالک کی موجودہ صورت حال پر بالاختصار روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔ اس غرض کے لئے میں نے صرف تین ممالک کو موضوع بحث بنایا ہے۔ ایک مصر، دوسرا سعودی عرب اور تیسرا ترکی۔ پہلے مصر کو لیجئے۔

مصر

انورالسادات کا دور اخوان المسلمون پر تشدد و تعذیب کے خاتمے کی بشارت بن کر آیا۔ اب وہاں اگرچہ "عرب سوشلسٹ پارٹی" واحد پارٹی ہے جسے سیاسی سرگرمیوں کی اجازت ہے، مگر اسلامی دعوت اور اسلامی لٹریچر کی اشاعت عام ہورہی ہے۔ چند پہلو یہ ہیں:

۱۔۔۔ اخوان المسلمون سب رہا ہوچکے ہیں۔ سات تا بیس سال کی جیل اور تعذیب و توہین کی زندگی بسر کرنے کے لیے واپس معاشرے میں اس شان کے ساتھ آئے ہیں کہ ان کے چہرے چودہویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے ہیں۔ اس وقت وہ مصر کا ایسا کھرا، کندن کی طرح خالص اور محترم و معزز عنصر سمجھے جارہے ہیں کہ آج توفیق الحکیم جیسے نامور ادیب، کمال الدین حسین جیسے سیاستدان اور عبدالسلام جیسے قانون دان اخوان سے اپنی نسبت کو فخر سمجھتے ہیں۔ اس کی وجہ ان کا یہ کردار ہے کہ:

الف: دورِ آزمائش کے اندر ان کا ایک آدمی بھی ضمیر فروش اور بے کردار نہیں نکلا۔

ب: عودہ سے لے کر سید تک نے نقد جان دے دی مگر ایمان کو آنچ نہیں آنے دی۔

ج: تازیانوں اور تعذیب کی چکیوں کے اندر پستے رہے، مگر زبان سے لفظ "ہائے" کے بجائے "لاالہ الا اللہ" "اللہ اکبر" نکلتا رہا۔

یہ نغمہ فصل گُل ولالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الہ الاّ اللہ

و: حسن الہضیبی مرحوم کے بیان کے مطابق جیل میں اکثریت نے قرآن حفظ کر لیا اور فقہ وحدیث کا علم حاصل کرلیا۔

ھ: خلاصہ یہ ہے کہ آزمائش نے یہ ثابت کردیا کہ وَمَازَادُوْهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا۔

ان تمام امور کے بارے میں لاتعداد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں مگر وقت کی قلت مانع ہے۔ البتہ بطور نمونہ چند واقعات کا ذکر مناسب ہوگا:۔

مصر کا ایک نامور اہل قلم احمد رائف بھی ان لوگوں میں تھا جنہیں سید قطب اور ان کے رفقائے دعوت کے ساتھ دوبارہ ۱۹۶۵ء میں گرفتار کرلیا گیا تھا۔ احمد رائف نے جیل سے رہا ہونے کے بعد زندان اور زندانیوں کی داستان "البوابۃ السوداء" کے نام سے لکھی ہے، وہ ایک طرف اگر اشتراکی نظام کے انتہائی وحشیانہ اسالیب تعذیب کی تصویر پیش کرتی ہے تو دوسری طرف وہ اخوان المسلمون کے صبر وعزیمت کی بھی حیرت انگیز مثالیں پیش کرتی ہے۔ احمد رائف لکھتا ہے کہ اخوان پر مظالم کی یہ شکل بھی اختیار کی گئی کہ ان میں سے بعض کی کھالیں اتار دی گئیں مگر ایسے واقعات نے اخوان قیدیوں کو خوفزدہ اور لرزہ براندام کرنے کی بجائے ان کی ایمانی طاقت میں اضافہ کیا اور ان کے اندر صبر وثبات کے جذبات مزید مستحکم ہوئے۔[لہ]

لہ اخوان پر جیلوں میں کیا گزری یہ معلوم کرنے کے لئے مندرجہ ذیل دو کتابیں مطالعہ کریں۔

۱ روداد ابتلا (ترجمہ البوابہ السوداء) احمد رائف کی تحریر کردہ جیل کی ڈائری۔

۲ روداد قفس (ترجمہ ایام من حیاتی) محترمہ زینب الغزالی کی جیل کی داستان۔

سیّد قطبؒ کے بارے میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انھیں آخر دم تک وزارت اور داد ودہش کا لالچ دیا جاتا رہا۔ گویا سیّد کی آزمائش کا خاکہ یوں بنتا ہے کہ ایک طرف ان کے سامنے تختۂ دار رکھ دیا جاتا ہے اور دوسری طرف (معافی مانگ لینے کی شکل میں) وزارت اور دیگر انعامات واکرامات کی فہرست پیش کر دی جاتی ہے۔ مگر سید یہ کہکر ہر نوعیت کی دنیوی پیش کش کو ٹھکرا دیتا ہے کہ "اسلام میں ایسے سودے بازی کی کوئی گنجائش نہیں ہے" اور آخر کار پھانسی پر لٹک جاتا ہے۔ قائد کا یہ کردار اس کے ساتھی سپاہیوں کو اس قدر پختہ کر دیتا ہے کہ ان میں سے ہر شخص عزیمت کا پہاڑ بن جاتا ہے۔

کویت کے ہفت روزہ البلاغ میں احمد رائف کا ایک انٹرویو چھپا ہے اس میں وہ جیل کے حالات بیان کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ اخوان کو سخت تعذیب دی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ متعدد افراد یارائے تعذیب نہ لاکر جام شہادت نوش کر گئے۔ ایک نوجوان ابوبکر مشتولی کا احمد رائف خاص طور پر ذکر کرتا ہے کہ اسے سخت ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا۔ احمد رائف کہتا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ اس سے کہا کہ "اپنی جان پر رحم کرو جو کچھ جلاد تم سے منوانا چاہتے ہیں، مان لو" اس کے جواب میں ابوبکر مشتولی نے جو الفاظ کہے ہیں وہ آج تک کانوں میں گونج رہے ہیں۔ اس نے کہا: "ھذا موقف شھادۃ" (یہ مقامِ شہادت ہے) ابوبکر مشتولی بالآخر شہید ہوگیا۔ اور اس کی لاش کو اٹھا کر احمد رائف نے جیل کے سپاہیوں کے حوالے کر دیا۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

مصر کی اسٹیٹ کونسل کے ایک جج علی جریشہ کا قضیہ بھی مصر کے دورِ اشتراکیت کی ایک ناقابل فراموش داستان ہے۔ ایک جج کو کوئی جُرم بتلائے بغیر پکڑ لیا جاتا ہے اور مسلسل پانچ سال تک اسے تعذیب کی بھٹیوں میں ڈالا جاتا ہے۔ قانون، انصاف،

انسانیت اور اخلاق کی مٹی اس حد تک پلید کی جاتی ہے کہ شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔[1]

عورتوں کے ساتھ جو کچھ گزری وہ بھی کچھ کم نہیں ہے۔ اخوان کی ایک معمر خاتون زینب الغزالی کے ساتھ جیل میں جو بدسلوکی کی گئی وہ اشتراکیت کی درندگی معلوم کرنے کے لیے کافی ہے۔ ایک اور خاتون زینب حسن عبد القادر کا بیان ہے کہ اس کا خاوند کئی سال تک گم رہا۔ اور بالآخر جب اخوان کو رہائی ملی تو ان میں وہ بھی شامل تھا۔ اس پورے عرصہ میں اس کا کوئی پتا نہ چل سکا کہ وہ کہاں ہے۔

۲۔۔۔ ہر ہفتے میں ایک کتاب ایسی بازار میں آجاتی ہے جس میں جمال عبد الناصر کے دور کے ظلم وستم اور اخوان المسلمون کی بے گناہی اور مظلومیت اور ان کے اعلیٰ کردار کی تعریف کی جاتی ہے۔ ایسی کتاب ہزاروں کی تعداد میں چھپتی ہے اور ہاتھوں ہاتھ لی جاتی ہے۔ چند کتابوں کے نام یہ ہیں۔ سنوات عصیبۃ، الصامتون یتکلمون، سنۃ اولی سجن، محاکمات دجوی، عودۃ الوعی، غلب حماری، حوار وراء الاسوار، البوابۃ السوداء، فی الزنزانۃ، اخبارات کا بھی یہی حال ہے۔ جو اخبار ناصر واخوان کے بارے میں مضامین چھاپتا ہے اس کی اشاعت میں یکایک اضافہ ہوجاتا ہے۔ روز الیوسف نے سابق وزیر داخلہ عبد العظیم فہمی کا مضمون چھاپا ہے جس میں اس نے صاف اقرار کیا ہے کہ سید قطبؒ پر لگائے گئے تمام الزامات بے بنیاد تھے۔ یہ درحقیقت سول انٹیلی جنس اور ملٹری انٹیلی جنس کی باہمی رقابت کا شاخسانہ تھا۔ ملٹری انٹیلی جنس شہری معاملات میں اپنی دخل اندازی کو ضروری اور اہم ثابت کرنے کے لیے ہر قیمت پر سول انٹیلی جنس کو گرانا

۱؎ استاذ ؒ جرشہ کے قضیہ کی تفصیل معلوم کرنے کے لئے ملاحظہ ہو ماہنامہ ترجمان القرآن اگست وستمبر ۱۹۷۵ء۔

چاہتی تھی۔ چنانچہ کسی اور گروہ پر ہاتھ ڈالنا اس کے لئے آسان نہ تھا۔ اخوان المسلمون کے لوگوں کو اس نے قربانی کا بکرا بنالیا۔ اور ایک جھوٹا افسانہ گھڑ کر انھیں گرفتار کروادیا۔ اور بظاہر انہوں نے یہ ثابت کر دیا کہ سول انٹیلی جنس کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ ملک کے اندر مختلف عناصر کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھے۔ اور حکومت کے خلاف "سازشوں" کو بر وقت بے نقاب کرتی رہے۔

۳۔۔۔ صدر سادات کے ساتھ اخوان کے رہنما گفت وشنید کے ذریعہ جماعت کو بحال کرانے کی کوشش کرتے رہے ہیں مگر ابھی تک کامیاب نہیں ہوئے۔ البتہ صدر سادات نے "عرب سوشلسٹ پارٹی" کے اندر "منابر" کے نام سے مختلف پلیٹ فارم کھول دیئے ہیں۔ استاذ صالح ابو رقیق جو اخوان کے زعماء میں سے ہیں اور ۱۸ سال جیل کاٹ چکے ہیں، وہ منابر کمیٹی کے رکن بن گئے ہیں۔

۴۔۔۔ حسن البنا مرحوم کے صاحب زادے احمد سیف الاسلام مجلہ "الشہاب" کا دوبارہ اجراء کر رہے ہیں۔ یہ وہی رسالہ ہے جسے حسن البناؒ نے سب سے پہلے مصر میں جاری کیا تھا۔[1] گزشتہ ۱۱ فروری کو سرکاری اخبار الجمہوریہ نے حسن البناؒ نمبر نکالا۔

۵۔۔۔ ہفت روزہ الدعوۃ عنقریب جاری ہونے والا ہے۔ یہ اخوان کا آرگن تھا۔[2]

۱؎ سیف السلام الشہاب جاری نہ کرسکے۔ بلکہ پولیس والے ان کے گھر سے وہ تمام ریکارڈ بھی اٹھا کر لے گئے جو ان کے شہید والد امام حسن البناؒ کی قیمتی اور نادر تحریروں پر مشتمل تھا۔

۲؎ الدعوۃ جاری ہوگیا۔ اور دو سال تک جاری رہا، پھر اسے بند کر دیا گیا اور اب لواء الاسلام کے نام سے وہ ایک اور ماہنامہ نکال رہے ہیں۔ یہ مجلہ انہوں نے ایک ادارے سے خریدا ہے۔ لواء الاسلام بھی اپنے مضامین اور تبصروں کے لحاظ سے بڑی شعلہ فشانی کر رہا ہے:

اے روشنئ طبع تو بر من بلا شدی

اس کے مدیر عمر التلمسانیؒ ایک اخوانی مجاہد ہیں [۱] جو حسن البناؒ شہید کے زمانے میں اخوان کے مکتب الارشاد کے رکن تھے۔

۶۔۔۔ اخوان المسلمون کا تمام لٹریچر دوبارہ چھاپنے کے انتظامات ہو رہے ہیں۔ احمد سیف الاسلام نے سب سے پہلے "الماثورات" چھاپی ہے۔ جو ایک ہفتے میں پچاس ہزار بکی۔

۷۔۔۔ ان دنوں مصر میں قانون اسلامی کے نفاذ کا مطالبہ زور پکڑتا جا رہا ہے۔ اس مطالبے کے دباؤ کی وجہ سے حکومت نے قاہرہ ہائی کورٹ کے چیف جج ڈاکٹر جمال المرصفاوی کی سربراہی میں قانون ساز کمیٹیوں کی تشکیل کی ہے۔ غالباً ان کمیٹیوں نے تدوین قوانین کا کام مکمل کر لیا ہے۔ مگر اندرونی حالات کے تحت ابھی انہیں پارلیمنٹ میں زیر بحث نہیں لایا گیا۔

ادھر ڈاکٹر اسماعیل معتوق نے جو مصر کے ایوان نمائندگان کے رکن اور قاہرہ کے آرٹس کالج میں پروفیسر ہیں ایوان نمائندگان کے اندر ایک ترمیمی شرعی مسودۂ قانون پیش کر دیا ہے۔ ایوان کی بڑی تعداد نے اس کی حمایت کر دی ہے۔ شیخ الازہر نے بھی ایوان کے اسپیکر سیّد مرعی کو تائیدی برقیہ دے دیا ہے۔ مسودۂ قانون کافی طویل ہے۔ لیکن قاری کی معلومات کے لیے اس مسودے کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

مسودہ قانون میں شدید جرائم (جنایات) اور خفیف جرائم (جناح) کے بارے میں الگ الگ سزائیں تجویز کی گئی ہیں۔ دونوں قسموں کے جرائم کے لیے اسلامی شریعت کی رو سے جو جو سزائیں تجویز کی گئی ہیں وہ یہ ہیں:

---

[۱] استاد عمر التلمسانیؒ کا انتقال ہو چکا ہے۔ ان کی جگہ اخوان کے نئے مرشد عام استاذ محمد حامد ابو النصر نے تمام ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں۔ یہ بھی امام حسن البناؒ کے عہد میں مکتب ارشاد کے رکن رہے ہیں۔

شدید جرائم کے لیے:

سزائے موت، ہاتھ اور پاؤں کاٹ دینا، عمر قید بامشقت، قید بامشقت، تین روز تک صلیب پر لٹکائے رکھنا۔

خفیف جرائم کے لیے:

تازیانے، جیل، جلاوطنی، جرمانہ۔

اس کے بعد مسودۂ قانون میں ان جرائم کو لیا گیا ہے جن پر حدود اللہ کا نفاذ ہوتا ہے۔ وہ یہ ہیں:

۱۔۔۔ مرتد کی سزا:

مرتد مرد کو پھانسی کی سزا دی جائے گی۔ اور سزا سے پیشتر اسے تین روز تک توبہ کی مہلت دی جائے گی۔ مرتد عورت کو تین روز تک توبہ کی مہلت دی جائے گی۔ اور اگر وہ توبہ نہ کرے تو اسے جیل بھیج دیا جائے گا۔

۲۔۔۔ قصاص کی سزا:

قاتل کی سزا کے بارے میں قتل بالمثل پر عملدرآمد ہوگا۔ ورنہ پھانسی کی سزا دی جائے گی۔ محرکین قتل کو تحریک قتل کے جرم میں عمر قید کی سزا ہوگی اور قتل میں شک واقع ہو جانے کی صورت میں (خواہ وہ شک طریقہ قتل میں ہو یا ثبوت قتل میں) قاتل پر لازمی دیت عائد ہوگی۔ اگر وہ ادا نہ کر سکے تو دیت عاقلہ پر ڈالی جائے گی۔ اور اگر عاقلہ بھی ادا نہ کر سکے تو ریاست کے خزانے سے ادا کی جائے گی۔ غیر ارادی قتل پر قاتل

کو ۶۰ تا ۷۰ تازیانے۔ تین سال قید اور دیت کی سزا دی جائے گی۔

۳— زنا کی سزا:

شادی شدہ کو رجم کیا جائے گا۔ غیر شادی شُدہ کو ۱۰۰ تازیانے اور ایک سال کی جلا وطنی۔

۴— قذف کی سزا:

محصن مرد اور محصنہ عورت کے قذف پر ۸۰ تازیانوں کی سزا ہوگی اور قاذف کی شہادت قانوناً غیر معتبر قرار دی جائے گی۔ غیر محصن اور غیر محصنہ کے قذف پر ۱۰ تا ۳۰ تازیانوں کی سزا ہوگی۔

۵— چوری کی سزا:

۲ گرام خالص سونے کی مالیت کی چوری پر پہلی مرتبہ ۲۰ تا ۵۰ تازیانے اور دوسری مرتبہ قطع ید کی سزا۔ امانت میں خیانت پر ۲۰ تا ۵۰ تازیانے، دوسروں کی املاک پر بزور قبضہ کرنے پر ۱۰ تا ۲۰ تازیانے۔

۶— ڈکیتی کی سزا:

اس میں بھی وہی سزائیں تجویز کی گئی ہیں جو کتاب وسنت میں بیان کی گئی ہیں۔

۷— شرابُ نوشی کی سزا:

مسودۂ قانون میں خمر کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ "خمر انگوروں کا سڑا ہوا افشردہ

ہے جب اس کے اندر اس حد تک تلخی اور ابال پیدا ہو جائے کہ اس میں جھاگ ابھر آئے"۔ اسی طرح "نشہ آور مرکب" کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ خمر کے علاوہ جس چیز کی مقدار کثیر نشہ پیدا کرے گی وہ منشیات میں شمار ہوگی۔ نیز معاہدہ نیویارک میں منشیات کی جو تعریف کی گئی ہے اسے بھی مسودۂ قانون میں شامل کیا گیا ہے۔

شراب نوشی کی جو سزائیں تجویز کی گئی ہیں وہ یہ ہیں:

۸۰ تازیانے اگر شراب پی اور نشہ کی حالت طاری ہو گئی۔

۵۰ تازیانے اگر شراب پی کر مدہوش نہ ہوا یا منہ کے سوا کسی اور طریقہ سے نشہ کیا۔

۱۰ تا ۲۰ تازیانے اگر شراب کی مجلس میں پایا گیا اور یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس نے شراب نہیں پی۔

۵۰ تا ۷۰ تازیانے خمر اور نشہ آور چیزوں کی صناعت تجارت اور شراب خانے کھولنے پر۔

مسودہ قانون میں لکھا ہے کہ یہی سزائیں غیر مسلم مجرمین پر بھی لاگو ہوں گی۔

۸— ان قوانین کو نافذ کروانے کے لئے مصر کی یونیورسٹیوں کے طلبہ کا دباؤ جاری ہے۔ پچھلے دنوں مصر کی "آل مصر سٹوڈنٹس یونین" نے ایک جلوس نکالا جس میں ہر طالب علم نے قرآن کریم اٹھا رکھا تھا۔ نیز ۱۳ مارچ ۱۹۷۶ء کو شبین الکرم میں طلباء کا ایک کنونشن ہوا جس میں دو مطالبے تھے: شریعت کا نفاذ اور نئے یونین لاء کا نفاذ۔ کانفرنس کے اختتام پر طلباء ایک جلوس کی شکل میں میت ابو الکرم قصبے میں گئے جو انور السادات کا آبائی قصبہ ہے۔ وہاں ان کا استقبال وزیر امور علاقائی نے کیا۔ طلبا نے مذکورہ دونوں مطالبوں پر مشتمل ایک محضر نامہ اسے پیش کیا۔

۹— مصری یونیورسٹیوں میں اسلام پسند طلباء نے "جماعت اسلامی" کے نام سے ہر کالج میں حلقے قائم کر رکھے ہیں

۱۰ —— اسیوط میں ایک دوسری ازھر یونیورسٹی قائم کردی گئی ہے۔

یاد رہے کہ ازھر یونیورسٹی اب ایک مستقل ادارہ ہے۔ مگر اس کی مالی حالت اس اس قدر خراب ہو چکی ہے کہ پچھلے ماہ شیخ الازہر نے دنیائے اسلام سے اپیل کی تھی کہ ازھر کی مالی مدد کی جائے۔ درحقیقت ازہر یونیورسٹی کے تابع جتنے اوقاف تھے انہیں اشتراکی حکومت نے اپنی تحویل میں لے لیا اور اشتراکی لیڈر یہ تمام اموال ہضم کر گئے۔

۱۱ —— ان حالات کے خلاف بھی جدو جہد جاری ہے۔ روزنامہ الاہرام اور ہفت روزہ روزنہ الیوسف نے تشکیک کی مہم زوروں پر چلا رکھی ہے۔ امریکہ پسند اور روس نواز عنصر خاصا متحرک ہے۔ حکومت کا رویہ غیر واضح ہے۔ سرکاری ملازمین دو حصّوں میں منقسم ہیں۔ ایک اسلام کے حامی اور دوسرے ناصر ازم عصریت اور لیبا ریت کے علمبردار ہیں۔

۱۲ —— تازہ ترین خبروں کے مُطابق اسکندریہ یونیورسٹی کے کارپرداز "حلقہ ہائے جماعت اسلامی" کے خلاف سخت ایکشن لے رہے ہیں۔ علی الخصوص میڈیکل کالج، فارمیسی کالج وغیرہ۔

مصر کا ایک گروہ برابر یہ کوشش کر رہا ہے کہ اخوان اور اسلام پسند عناصر کو کسی طرح سادات سے متصادم کر دیا جائے[1] اور انہیں دوبارہ نئی آزمائش میں مبتلا کر دیا جائے۔

---

[1] مصر میں اخوان المسلمون کی تحریک عوام کے اندر تیزی سے پھیلتی جا رہی ہے۔ ۱۹۸۸ء میں مصر میں انجینئرز یونین (نقابہ المھندسین) کے انتخابات میں اخوان کے لوگوں نے حصّہ لیا اور تقریباً اعلیٰ کونسل سے لے کر ذیلی کمیٹیوں تک اخوان نے انتخابات جیت لیے۔ دیگر متعدد پیشہ وارانہ یونینوں کے انتخاب میں بھی انہوں نے نمایاں پوزیشن حاصل کر لی۔ الاہرام اور امریکہ کے ایک ادارے نے مل کر مصر میں اسلام کے نفوذ پر جو رپورٹ تیار کی ہے اس میں نپے تلے الفاظ میں یہ بتایا گیا ہے کہ "اخوان مصر میں عوامی طاقت بن چکے ہیں۔"

۱۳ —— ہمارے لٹریچر کی اب مصر میں بہت مانگ ہے مصر ایک نئی زندگی میں داخل ہو چکا ہے۔ اور ہمیں اس امر کی شدید فکر لاحق ہے کہ کسی طرح مصر کی موجودہ مانگ کو پورا کیا جائے[1]

سعودی عرب

پچھلے دس سالوں سے سعودی عرب تین عناصر میں بٹا ہوا ہے۔ ایک ملحد و لادین عنصر۔ یہ ان نوجوانوں پر مشتمل ہے جو یورپ اور امریکہ سے تعلیم پاکر آئے ہیں اور اب ملک کے اندر مختلف ذمّہ دارانہ مناصب پر براجمان ہیں۔ یورپ اور امریکہ میں ان کا قیام ایسے ماحول میں ہوا ہے جس نے فکری، دینی اور اخلاقی لحاظ سے ان کی اچھی خاصی تعداد بگاڑ دی ہے۔ اور اب ان کے پاس مناصب بھی ہیں اور بے پناہ دولت بھی۔ آئندہ بھی ایک بڑی ٹیم امریکہ سے تعلیم پاکر واپس ملک لوٹنے والی ہے۔ جو شاید پیش رو ٹیم سے بھی چار قدم آگے ہو گی۔

دوسرا روایتی مذہبی عنصر۔ یہ علماء اور دینی اداروں کے تعلیم یافتہ لوگوں پر مشتمل ہے۔ اس کی تعلیم نہایت محدود ماحول میں ہوئی ہے۔ ملک کے اندر اس کی خدمات، مذہبی اداروں میں تعلیم، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے محکموں میں ملازمت اور مسجدوں کی امامت و خطابت تک محدود ہے۔ چونکہ سعودی عرب کا ملکی قانون اسلامی شریعت ہے اس لئے قانون و قضا کے اداروں کے اندر بھی اس کی کھپت ہے۔

---

[1] سادات تو ختم ہو گیا۔ اب حسنی مبارک کا دور ہے۔ اخوان کے بارے میں حسنی مبارک کا بھی وہی رویہ ہے جو سادات کا تھا۔

چند افراد کو چھوڑ کر یہ پورا عنصر دین کے بارے میں امام محمد بن عبدالوہاب کی انقلابی تحریک کے اثرات سے خالی ہے۔ حصولِ مال و دولت کی دوڑ میں بھی بعض افراد حصّہ لے رہے ہیں۔ نسلِ نو پر اس عنصر کا اثر نہ ہونے کے برابر ہے۔ بلکہ بعض تاریخی اسباب کی بنا پر نسلِ نو اس سے سخت متنفر ہو رہی ہے۔ ابھی تو صرف وہ نسلِ نو کے تمسخر و استہزاء کا ہدف ہے لیکن آگے چل کر وہ خدانخواستہ اس کے شدید ردِ عمل کا شکار ہو سکتا ہے۔

تیسرا تحریکی عنصر۔ یہ عنصر جگہ جگہ مختلف اداروں میں پایا جاتا ہے۔ یہ منظم نہیں ہے اور نہ اس ملک میں کوئی تنظیم قائم کی جا سکتی ہے۔ لیکن یہی عنصر کسی حد تک مستقبل کے لیے مرکزِ امید ہے۔

فیصل کے زمانے میں بھی یہ تینوں عناصر اسی شکل میں موجود تھے۔ مگر فیصل ان کے درمیان میں کھڑا تھا اور ہر عنصر کے لئے اس نے ایک حد مقرر کر رکھی تھی جس سے وہ تجاوز نہ کر سکتا تھا۔ فیصل ایک تجربہ کار سیاست داں تھا۔ دورِ بادشاہت کے اندر اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر خلوص اور خدمتِ اسلام کا غیر معمولی ولولہ بھر دیا تھا، اور دنیائے اسلام کے مسائل سے اس نے بے لاگ دلچسپی لے کر ملّتِ اسلامی کے دل میں گھر کر لیا تھا۔ ان وجوہ کی بنا پر اسے اپنے ملک کے اندر بھی بڑی طاقت حاصل ہو گئی تھی اور اسی طاقت کی بدولت اس نے مذکورہ تینوں عناصر کو اعتدال پر رکھا ہوا تھا۔ وہ ملک کے مستقبل پر نظر رکھتا تھا۔ اسے الحاد و انحراف کی رو سے قلق تھا۔ اس کے سدِّباب کے لیے اس نے قانون کی طاقت استعمال کرنے کے بجائے فکر و نظر میں تبدیلی کا راستہ اختیار کیا۔ اور سعودی نوجوانوں کو مغربی یونیورسٹیوں سے بے نیاز کرنے کے لیے سعودی عرب کے اندر یونیورسٹیوں کا قیام شروع کر دیا۔ چنانچہ آج سعودی عرب میں پانچ یونیورسٹیاں ہیں جب کہ سعودی عرب کی آبادی ۳۵ لاکھ سے زیادہ نہیں ہے۔

فیصل کی شہادت کے بعد یہ تینوں عناصر باہم الجھ رہے ہیں۔ ملحد عنصر بظاہر زیادہ

قوی نظر آتا ہے۔ مذہبی عنصر دب رہا ہے۔ اور کچھ لوگ مال و منصب کو نصب العین بنا کر خاموش ہو چکے ہیں۔ ـــــــ تحریکی عنصر متفکر ہے اور جائز حد تک سرگرم بھی۔ اسے دانا دشمن اور بیوقوف دوست دونوں سے پالا پڑا ہے۔

یہ کشمکش خفیہ نہیں علانیہ ہے۔ اخبارات میں عکاظ (جدہ) عرب نیوز (جدّہ) الریاض (ریاض) الجزیرہ (ریاض) ترقی پسندی اور اوپن سوسائٹی کے علمبردار بنے ہوئے ہیں۔ المدینہ (جدّہ)، الندوہ (مکہ)، البلاد (جدہ) اسلامی تہذیب و تمدن کی علمبرداری کرتے ہیں۔ اور دونوں کیمپوں میں کبھی کبھی اداریوں کے اندر تلخ کلامی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ حکومت کے اندر چونکہ دونوں قسم کے لوگ موجود ہیں اس لیے ہر گروہ اپنے ہم نوا کیمپ کی اندرونی طور پر پشت پناہی کرتا ہے۔ بظاہر ملحد عنصر کا پلڑا غالب نظر آتا ہے اور اس کا اندازِ گفتگو بھی سخت جارحانہ ہے۔[1]

ایک طرف: اسلامی کانفرنسوں کا سلسلہ جاری ہے۔ اقتصادی کانفرنس، سائنس و ٹیکنالوجی کانفرنس، مساجد کانفرنس، قانونِ اسلامی کانفرنس، اسلامی تعلیمی کانفرنس، اسلامی ماہرینِ زراعت کی کانفرنس، دعوتِ اسلامی کانفرنس اور مسلم جغرافیہ دانوں کی کانفرنس۔

---

[1] اب الحداثہ کے نام سے نئی تحریک اٹھی ہوئی ہے۔ الحداثہ جدیدیت کو کہتے ہیں۔ ادب و شعر کے پیرائے میں اس ذہن کو پوری قوت کے ساتھ پھیلایا جا رہا ہے۔ اسلامی ذہن کی طرف سے اس کا جواب بھی بھرپور طریقے سے دیا جا رہا ہے۔ بازار میں دونوں ذہنوں کی نمائندگی کرنے والا لٹریچر موجود ہے۔ اسلامی ذہن پھر غلبہ حاصل کر رہا ہے۔ حکومتی اداروں میں دونوں کے حامی موجود ہیں۔ ــــــــ (مصنف ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۹ء)

دوسری طرف: نوجوانوں کے اندر کھیلوں، گانوں اور عیش وعشرت کو فروغ دیا جارہا ہے اور روزانہ اخلاقی کمزوریوں کے اندر اضافہ ہورہا ہے۔

سوال: اس کشمکش کا انجام کیا ہوگا۔ میرے نزدیک یہ کشمکش خیر کا پہلو رکھتی ہے۔ اس سے وہ تمام رذائل ومنکرات جو پہلے پنہاں تھے سطح زمین پر آرہے ہیں۔ اس سے معاشرے کی اصل حالت کا اندازہ کرنے میں آسانی ہوگی۔ نیز اسلام کے نام لیواؤں کے زبانی دعوؤں کی پرکھ ہوگی۔ اگر وہ باقی رہنا چاہتے ہیں تو انہیں شعور وفہم کی طاقت اور عمل وکردار کی تاثیر پیدا کرنا ہوگی اور اعتراض کا جواب طاقت سے نہیں دلیل وکردار سے دینا ہوگا۔ چنانچہ اس کشمکش کے اندر اب اس طرح کی آوازیں کان میں پڑتی ہیں:

عکاظ: ہمارا معاشرہ دوسرے مسلمان معاشروں سے الگ حیثیت نہیں رکھتا۔ (یعنی حرمین اور ارض مقدس کے مخصوص تصورات واحکام ختم کردیئے جائیں۔)

المدینہ: جو ہمارے معاشرے کی اسلامی حیثیت مجروح کرنے کی کوشش کرے گا ہم اس کا اور اس کی پشت پناہی کرنے والوں کا بھرپور تعاقب کریں گے۔

وہی سوال دہراتا ہوں کہ اس کشمکش کا انجام کیا ہوگا؟ **جواب:** قرآن کے فلسفے کی رو سے تنازع للبقاء جب ہوتی ہے تو فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ البقاء للاصلح ــــ دوسرے لفظوں میں ملحد وبے دین عنصر دین سے بھی خالی ہے اور اخلاق ومعنویت سے بھی۔ اس کے مقابلے میں اسلام پسند عنصر دین سے بہرہ مند ہونے کے ساتھ اخلاق وکردار کا سرمایہ بھی رکھتا ہے۔ شراب وشاہد کے رسیا اور جاہ ودولت کے حریص کثرت کے باوجود خدا پرستوں کی جماعت قلیلہ کے سامنے نہیں ٹھہر سکیں گے۔

ترکی

ترکی بھی اب الحاد ولادینیت کی تاریکیوں سے نکل کر اسلام کی روشنی میں داخل ہورہا ہے۔ ہمارا لٹریچر ترکی زبان میں اسی دور میں منتقل ہونا شروع ہوگیا تھا جب ترکی میں حالات کا رخ بدلنا شروع ہی ہوا تھا۔ یعنی تقریباً ۱۹۵۳ء میں۔ پہلا پمفلٹ تھا کلمۂ طیبہ کے معنی۔ اور اب آخری کتاب جو چھپ کر آئی ہے وہ ہے تفہیم القرآن کی پہلی جلد[1]

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ترکی کے موجودہ دور احیائے اسلام میں جماعت کے لٹریچر کا فکری محاذ پر بہت بڑا حصّہ ہے۔ ہمارا لٹریچر روز بروز پھیل رہا ہے اور نئی نئی کتابیں ترجمہ ہوکر میدان میں آرہی ہیں۔

ترکی میں اسلام کے علمبردار تین عناصر ہیں:

۱ــــ یونیورسٹیوں کے طلبہ کی ایک مضبوط جماعت:

اس جماعت نے M.T.T.B. پر قبضہ کرلیا ہے۔ اسی تنظیم نے سال گزشتہ میں استنبول میں افسو کی تیسری سالانہ کانفرنس منعقد کروائی تھی۔ مدارس ائمہ وخطباء اور معاہد

---

[1] تفہیم القرآن ۱۹۸۷ء میں ترکی زبان میں پوری چھپ گئی ہے۔ اس کا ترکی ترجمہ چند اہل قلم نے مل کر کیا ہے۔ ان میں ہمارے ایک پاکستانی رفیق محمد خان کیانی صاحب بھی ہیں جو ایک طویل عرصے سے ترکی میں رہ رہے ہیں اور ترکی زبان پر عبور حاصل کرچکے ہیں ــــــ (مصنف ۱۲ر اکتوبر ۱۹۸۹ء)

اسلامیہ عالیہ کے طلباء بھی ان کے ساتھ شریک ہیں۔ ان کی اپنی الگ تنظیمیں بھی ہیں۔ یہ طلباء جماعت کے لٹریچر کو رغبت اور شوق سے پڑھتے ہیں۔ مدارس ائمہ وخطباء کے فارغین کی الگ تنظیم ہے۔ اور ترکی کی ۶۰ ہزار مسجدوں پر اس کا قبضہ ہے۔

۲ — طلبۂ نور: یہ دو حصّوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ایک حصّہ وہ ہے جو نورسی مرحوم کے رسائل کے علاوہ کسی کتاب کو ہاتھ لگانے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اس لحاظ سے ہم اس حصّے کو تبلیغی جماعت سے تشبیہ دے سکتے ہیں، لیکن چونکہ یہ خلافتِ اسلامیہ کے احیاء کا بھی علمبردار ہے اس لیے حکومتوں کے عتاب کا نشانہ بنتا رہا ہے۔ دوسرا حصّہ روشن خیال لوگوں پر مشتمل ہے۔ اور وہ اسلامی تحریکوں سے وابستگی بھی رکھتا ہے اور ان کا لٹریچر بھی پڑھتا ہے۔

۳ — ملّی سلامت پارٹی[1]: یہ پارٹی مجموعی طور پر اسلام کی علمبردار ہے۔ اس کا موجودہ سربراہ نجم الدین اربکان ترکی کا نائب وزیرِ اعظم ہے[2]۔ اس وقت یہ حکومت میں شریک ہے۔ اس کے بارے میں یہ امر پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ ترکی میں اسلام کا مستقبل اس پارٹی سے وابستہ ہے۔ اوپر جن دو عناصر کا ذکر کیا گیا ہے ان کی بہت بڑی اکثریت ملّی سلامت پارٹی کی حامی ہے۔ اس پارٹی

---

[1] اب اس کا نام ملّی رفاہ پارٹی ہے اور یہ اس وقت اپوزیشن میں ہے۔ اس نے ۱۹۹۶ء کے آغاز میں بلدیاتی انتخاب میں حصّہ لیا اور ترکی کی ۸۰ بلدیات میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ ان میں سے نمایاں بلدیات قونیہ، سیواس، اورفہ اور مرعش ہیں۔

[2] اب یہ پارٹی اور اس کا سربراہ اپوزیشن میں ہیں۔ ان کے تازہ ترین حالات معلوم کرنے کے لیے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "تحریکی سفر کی داستان" مطبوعہ ادارہ معارف اسلامی منصورہ لاہور۔

کے حامی ہمارے ساتھ بہت عقیدت مندی کا اظہار کرتے ہیں۔ اس پارٹی نے ایک دانش مندانہ کام یہ کیا ہے کہ ترکی کے سلسلہ نقشبندیہ کو اپنے ساتھ ملا رکھا ہے۔ اور اسے ساتھ ملانے میں خود نجم الدین اربکان کی کوشش کو دخل ہے۔ نجم الدین اربکان خود بھی صوفی مزاج آدمی ہے۔ سلسلۂ نقشبندیہ زیادہ تر کُرد آبادی میں رائج ہے اور کرد اچھے پٹھانوں کی طرح اسلام کے ساتھ وابستگی میں شہرت رکھتے ہیں۔

ترکی کے اندر جو تبدیلیاں ہو رہی ہیں، ان کے حوصلہ افزا پہلو ذیل کی مثالوں سے سمجھے جا سکتے ہیں:

۱ — قبرص کے مسئلے پر یونان اور ترکی کی جنگ میں ترکی کے اسلام پسند عناصر نے پوری فضا پر اسلامی جذبات کا رنگ غالب کر دیا۔ اور ایامِ جنگ میں اسلام اور جہادِ اسلامی کا بڑا چرچا کیا۔ اس جنگ نے تین باتیں ثابت کر دیں:

(الف) اس جنگ میں ترکوں کی فتح اسلام کی بدولت ہوئی ہے۔

(ب) قبرصی ترک مدتوں سے پس رہے تھے۔ ۱۹۲۵ء میں قبرص پر انگریزوں کی تولیت قائم ہوئی۔ اور ۵۰ سال قبرصی ترک یونانی اور قبرصی عیسائیوں اور ان کی دہشت پسندانہ تحریکوں مثلاً یونان کی تحریک اینوسس اور قبرص کی تحریک الوکا کے ہاتھوں ظلم و ستم سہتے رہے۔ مگر ترکی کا لادینی نظام اور لادینی عنصر زبانی طفل تسلیوں کے سوا عملی اقدام کرنے سے قاصر رہا۔ اب ملی سلامت پارٹی اور ترکیا کے مسلم عوام جب میدان میں آئے ہیں تو انہوں نے اس ظلم کی چکی سے قبرصیوں کو نجات دلائی۔ قبرصی ترکوں کی وفاقی ریاست کا موجودہ وزیرِ اعظم رؤف دنکتاش اس بات کا برملا اعتراف کرتا رہتا ہے۔ اس صورت حال نے قبرصی ترکوں کی مذہبی اور اخلاقی زندگی پر بھی اچھا اثر ڈالا ہے۔

(ج) قبرص کے اندر برطانیہ نے برطانوی اور فرانسیسی افواج پر مشتمل جنگی اڈہ قائم کر رکھا تھا۔ اسی اڈے سے ۱۹۶۵ء میں مصر پر سہ طاقتی حملے کے وقت فرانسیسی اور برطانوی ہوائی جہاز اڑاتے رہے۔ یہ اڈہ اب ختم کر دیا گیا ہے۔

۲۔۔۔ اس جنگ میں جب امریکہ نے ترکی کو عسکری امداد دینے سے گریز کیا تو ملی سلامت پارٹی اور اسلامی عناصر کے دباؤ کی وجہ سے ترکی حکومت کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ اگر امریکہ امداد نہیں دیتا تو اس کا ترکی میں واقع فوجی اڈہ ختم کر دیا جائے گا۔ اور بالفعل اس اڈے کو بند کر دیا۔ یہاں تک کہ امریکہ ترکی کی فوجی امداد بحال کرنے پر مجبور ہوا۔ یہ آبرومندانہ اور قومی غیرت کا عکاس اقدام پہلے کسی حکومت سے نہ ہو سکا۔

۳۔۔۔ ترکی میں اسلامی حلقوں کی طرف سے یہ دباؤ بڑھتا جا رہا ہے کہ ترکی دستور کی اس دفعہ کو منسوخ کیا جائے جو ترکی کو سیکولر ریاست بناتی ہے۔

۴۔۔۔ یہ نعرہ بھی عام ہو گیا ہے کہ ترکی میں "خلافت اسلامیہ" کو بحال کیا جائے۔

۵۔۔۔ ماہ مارچ میں ترک نوجوانوں نے فتح استنبول کی یاد میں "یوم شوکت اسلام" منایا۔

استنبول جس کا قدیم نام قسطنطنیہ تھا ۱۴۵۳ء میں سلطان محمد دوم نے فتح کیا تھا اور بازنطینی حکومت کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا تھا۔

۶۔۔۔ ترک نوجوان فوزی چقماق پاشا کی برسی منانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ یہ ترک جرنیل کمال پاشا کا ساتھی تھا۔ ترک افواج کی تنظیم نو کا سہرا اسی کے سر ہے۔ کمال پاشا کے ساتھ مل کر ترکی کو آزاد کروانے اور ترک قوم کے اندر اس دور میں روح جہاد پھونکنے میں اس کا بڑا دخل تھا۔ لوزان کانفرنس (۱۹۲۳ء) کے بعد جب کمال پاشا نے اپنا راستہ بدل لیا تو یہ اس سے الگ ہو گیا۔

۷۔۔۔ ۱۹۲۴ء کا یہ قانون ختم کر دیا گیا ہے جس کی رو سے ایک طرف خلافت کا خاتمہ کیا گیا تھا اور دوسری طرف عثمانی خاندان کے تمام افراد کو ترکی سے نکل جانے کا حکم دیا گیا تھا۔ ۲ مارچ ۱۹۲۴ء کو یہ قانون پاس ہوا تھا اور ۵ مارچ ۱۹۲۴ء کو آلِ عثمان کا ایک ایک فرد ترکی سے جلاوطن کر دیا گیا تھا

۸۔۔۔ ۱۳ اپریل ۱۹۷۶ء کو استنبول میں مسلم وزرائے خارجہ کی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کے انعقاد کا سہرا بھی اسلامی عناصر کے سر ہے۔ ملحد اور کمیونسٹ اس کانفرنس کے شدید مخالف تھے۔ چنانچہ کانفرنس کے ایام میں ترکی کا صدر ترکی چھوڑ کر باہر چلا گیا تھا۔ اس کے لیے مسلمانوں کا اجتماع ناقابلِ برداشت تھا۔ کانفرنس کو سلیمان ڈیمرل اور نجم الدین اربکان نے ہر لحاظ سے کامیاب کرنے کی کوشش کی۔ اسلام پسند نوجوانوں نے مظاہروں کے ذریعے اور مسجدوں کی حاضری کے ذریعے اپنی طاقت کا اظہار کیا۔ سلطان احمد کی مسجد میں جب وزراء نماز جمعہ ادا کرنے گئے تو دس ہزار نوجوان مسجد کے اندر موجود تھے اور ایا صوفیا کی واگزاری کا مطالبہ کر رہے تھے۔

۹۔۔۔ اسلامی مدرسوں کی ترکی میں تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ تقریباً ایک سو مدرسے[1] جنہیں مدارس ائمہ وخطباء کہا جاتا ہے قائم ہو چکے ہیں۔ حفظ القرآن اور تدریس عربی کے مدارس و مراکز بھی وزارت امور دینیہ کی طرف سے مسلسل کھولے جا رہے ہیں۔ اب ایک اسلامی یونیورسٹی قائم کرنے کے لیے بھی انتظامات ہو رہے ہیں۔ وزارت امور دینیہ نے حال ہی میں یہ احکام جاری کئے ہیں کہ گرمیوں کی چھٹیوں کے اندر ترکی کی تمام مسجدوں میں قرآن کی کلاسیں جاری کی جائیں۔ ترکی کا وزیر امور دینی حسن اقصائی بڑا باہمت آدمی ہے وہ اس منصوبے کو یقیناً کامیاب کر کے رہے گا۔

۱۰۔۔۔ ترکی افواج کے جنرل ہیڈ کوارٹر کی طرف سے فوج کے تمام ملٹری کالجوں اور عسکری تربیت کے اداروں کے نام یہ حکم نامہ جاری ہوا ہے کہ ان کالجوں اور اداروں

---

[1] اس تعداد میں اب مزید اضافہ ہو چکا ہے۔

کے اندر اسلامیات کی تعلیم لازمی قرار دی جائے۔ حکم نامے کے اندر اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اسلام سپاہی کے حوصلے کو بلند کرتا ہے۔

۱۱ ـــ اور بھی متعدد چھوٹے بڑے اقدامات کیے جا رہے ہیں جو اسلامی پہلو کو ترکی کے اندر اجاگر کریں گے۔

۱۲ ـــ ملحد عناصر کی مزاحمت بھی شدّت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ روزانہ کمیونسٹ اور ملحد حلقے تصادم کے حالات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ بداخلاقی کو فروغ دینے کی مہم تیز تر کر دی گئی ہے۔ اسلامی کانفرنس کے دوران ملحدین کی طرف سے جگہ جگہ رقص و موسیقی اور شراب و شاہد کے انتظامات کئے گئے تھے اور بہت سے مسلمان وزراء ان سے محظوظ ہوتے رہے۔ بہرحال یہ طاقتیں ترکی کے اندر اسلام کے احیاء کی رفتار میں تو فرق ڈال سکتی ہیں مگر غلبۂ اسلام کی اہمیت کو نہیں بدل سکتیں۔

اِسلام غالب آئے گا

بیسویں صدی کا اختتام

آج ہم بیسویں صدی کی آخری چوتھائی میں داخل ہو چکے ہیں۔ اور ۲۳،۲۴ سال کے بعد یہ ہنگامہ خیز صدی ہم سے رخصت ہو جائے گی۔ جہاں تک چودہویں صدی ہجری کا تعلق ہے اس کے الوداعی سلام کہنے میں صرف چار سال باقی رہ گئے ہیں۔

اس صدی کے آغاز میں جو انسان تھا وہ اس کے وسط سے مختلف تھا۔ لیکن اختلاف کا تناسب ایک اور دس سے زیادہ نہ تھا۔ آخری چوتھائی میں، ہم دیکھ رہے ہیں کہ اختلاف کا تناسب غیر معمولی طور پر بڑھا ہے، بلکہ طبعی اندازوں سے بہت آگے نکل گیا ہے۔ طبعی رفتار سے تو یہ تناسب ایک اور پندرہ کا ہونا چاہئے مگر یہ تناسب ایک اور ۶۷ تک پہنچ گیا ہے۔ میرا مدعا یہ ہے کہ انسان ایک شدید دور تغیر کی زد میں ہے۔

انسانی تاریخ کے مدوجزر

تاریخ انسانی کے اندر اللہ تعالیٰ کی سنّت کی جو علمداری رہی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ایسا بارہا ہوا ہے کہ انسانیت خطِ مستقیم پر چلتے چلتے اسے ترک کر دیتی رہی ہے اور یمین و یسار کی پگڈنڈیوں میں لڑھک جاتی رہی ہے۔ اور آخر کار انحراف و ضلالت کے آخری اور انتہائی نقطے کو چھو لیتی رہی ہے۔ ایسی صورت میں اللہ کی سنت دخل دیکر اس کا رخ خطِ مستقیم کی طرف دوبارہ موڑ دینے کا انتظام کرتی رہی ہے۔ لیکن یہ موڑ اسی قدر کٹھن اور ہولناک ہوتا ہے جتنا ایک مریض کے لیے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنا۔ چنانچہ تحویل سمت کے زمانے سے لے کر خطِ مستقیم تک واپس عود کر آنے تک کئی انسانی گروہ راستے میں دم توڑ گئے۔ اور کئی لب بام پہنچ کر کمند توڑ بیٹھے۔ صرف انسانیت کا جاندار اور صالح

عنصر ہی منزلِ مقصود تک پہنچ پایا۔ تحویلِ سمت کا یہ زمانہ اس لحاظ سے بھی تاریخ کا اہم زمانہ ہوتا ہے کہ صرف اکیلا انسان ہی تحویل نہیں کرتا، بلکہ اس کے جملہ فلسفے اور نظریات، اس کا تمام اخلاقی نظام، اس کے تمام تہذیبی و تمدنی مظاہر، بلکہ اس کے تمام انسانی اور خونی رشتے بھی تحویل کی لپیٹ میں آتے ہیں۔ ایک طرف شکست و ریخت کا عمل بڑھ جاتا ہے اور دوسری طرف نئی تعمیر و ترمیم کے لیے انسانیت کے اندر "ادرکونی" (مجھے بچائیے) ــــــ کی پکار بڑھ جاتی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انسانیت جب تک سطحِ ارض پر باقی ہے تو اسے باقی رہنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ خطِ مستقیم پر چلے، اور گلستانِ ارض کو بنا سنوار کر رکھے۔ فرض کیجئے وہ خطِ مستقیم سے منحرف ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ اس کے اندر اسبابِ تعمیر اور اسبابِ تخریب کا کیا تناسب ہے۔ اگر دونوں مساوی ہیں تو پھر بھی اس کے لیے بقاء کے مواقع موجود ہیں۔ اور اگر اسبابِ تعمیر اور اسبابِ تخریب نہ صرف یہ کہ مساوی نہیں رہے بلکہ اسبابِ تخریب کا پلڑا بہت بھاری ہو گیا ہے، تو ایک طرف اللہ تعالیٰ کی سنّت، دوسری طرف خود انسان کی اپنی فطرت اور تیسری طرف کرۂ ارض کی انسانی و غیر انسانی مخلوق سب کا قوی تقاضا یہ ہوتا ہے کہ انسانیت خطِ مستقیم کی پناہ لے۔ ہاں، جب اللہ تعالیٰ دنیا کے ختم کرنے کا فیصلہ فرمائے گا تو پھر انسانیت تخریب کی آخری حالت میں ہوگی۔ اور خطِ مستقیم کی طرف اس کی واپسی کی بجائے اس کے خاتمے کا صُور پھونک دیا جائے گا۔

انسانیت جب آخری ضلالت کے بعد ہدایت کی طرف آنے کی پیاسی ہو جاتی تھی تو یہی وہ موقع ہوتا تھا جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیا و رسل مبعوث ہوتے تھے۔ اسی موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور کی جانب اشارہ کرکے فرمایا تھا کہ "زمانے کی گردش اپنی اصل حالت میں آگئی ہے"۔ اور چونکہ تحویل کے آغاز سے لے کر خطِ مستقیم

تک واپسی کا زمانہ بسا اوقات کافی طوالت اختیار کر جاتا رہا ہے اس لیے ایسا بھی ہوا ہے کہ اس عرصے میں کئی کئی نبی آتے رہے۔ اور اصلاح کا عمل بڑی کاوشوں اور قربانیوں کے ساتھ سرانجام پاتا رہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ آخری نبی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا اس لئے یہ کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری امت، یا کم از کم امت کے ایک گروہ کے سپرد ہوا۔

آج بھی انسانیت ایک ہمہ گیر تبدیلی کے لیے بے تاب ہے۔

اس تمہید کے بعد میں آپ سے عرض کروں گا کہ ہم آج تاریخ کے اس دور میں داخل ہو گئے ہیں جب انسانیت بحیثیت مجموعی اپنی تہذیب و تمدن سمیت، اپنے نظریات و فلسفات سمیت اور اپنے اخلاقی نظاموں سمیت گمراہی کے آخری کنارے کو چھو چکی ہے۔ اور وہ زبانِ حال سے پکار رہی ہے کہ اسے خطِ مستقیم کی طرف واپس لایا جائے۔ ایک طرف اس کی فطرت سیدھی راہ پر چلنے کے لیے اسے تازیانے لگا رہی ہے اور دوسری طرف سیدھی راہ میسر نہ آنے کی وجہ سے وہ اس طرح ٹامک ٹوئیاں مار رہی ہے جس طرح کسی تنگ و تاریک کوٹھری کے اندر گھرا ہوا انسان نکلنے کا دروازہ نہ پا کر اور تاریکی اور گھٹن سے تنگ آکر کوٹھڑی کی دیواروں سے سر پھوڑنے لگتا ہے۔ اور پھر ہر اس آدمی کو اپنا رہنما تسلیم کرنے لگتا ہے جو اسے باہر نکلنے کے لیے "تعالوا الیّ" (میری طرف آؤ) کی آواز دیتا ہے۔

چنانچہ انسان کے ٹامک ٹوئیوں کے عجیب و غریب مظاہر سامنے آرہے ہیں۔ یہ ہپیوں اور بیٹلز کی جماعتیں، یہ منشیات کا بکثرت استعمال، یہ انسانوں کے ریوڑوں کے ریوڑوں کا جنگلوں اور پہاڑوں کی طرف نکل جانا اور جوگیوں اور ہرے کرشن کا جاپ کرنے والوں کے پیچھے بھاگنا، یہ انسان کے توحش و درندگی کا اس حد تک بڑھ جانا کہ اس کی نظر میں ہر چیز کی کوئی قیمت ہے مگر انسان کی کوئی قیمت نہیں۔ یہ معمولی اسباب کی بنا پر

خودکشی کرلینا، یہ عورتوں کا مرد بننا اور مردوں کا عورت بننا، یہ رنگ و نسل اور مفادات کے اختلاف کی بنا پر کشت و خون کی ندیاں بہا دینا، یہ زبان کے فرق کی بنا پر باہم اونچی اونچی دیواریں کھڑی کرلینا، یہ اخلاق و کردار کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دینا —— یہ سب کچھ اس بات کی علامتیں ہیں کہ انسان پریشان ہے۔ اس کی عقل و فہم جواب دے چکی ہے۔ اسے کسی ان دیکھی چیز کی تلاش ہے۔ وہ یہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ "هل من خروج الی سبیل" کیا اس حالت سے نکلنے کا کوئی راستہ مل سکتا ہے؟ —— اور اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی نہ ہوتے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ایسی حالت میں کوئی نبی یا رسول بھیجتا، مگر معاف فرمائیے یہ ذمہ داری آپ پر ڈال دی گئی ہے۔

انسانیت آسمانی ہدایت کی تلاش میں ہے

دوسرے لفظوں میں انسانیت تاریخ کی اس مخصوص گردش میں داخل ہو چکی ہے جسے تحویل کا دور کہا جاتا ہے۔ اب انسان چاہ رہا ہے کہ اسے صراط مستقیم پر لانے کا انتظام کیا جائے۔ وہ اپنی ہی تہذیب کے ہاتھوں بیزار ہو رہا ہے۔ اپنے ہی قائم کردہ نظریات و افکار، اور اپنی ہی گھڑی ہوئی مادی اقدار و روایات کے خلاف بغاوت کر رہا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اب اسے ایسی تہذیب ملے جس میں انسانیت نوازی ہو۔ ایسے اخلاق ملیں جن سے اس کی روح تسکین پائے، ایسے انسان ملیں جن میں اخوت و مودت کی خوبو ہو۔ اسے وہ حقیقی الہ ملے جو اس کا اصل خالق ہے۔ اسے وحی و رسالت کا وہی پیغام ملے جس سے اس کی فطرت سنتے ہی پکار اٹھے۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا۔

لوگ انسانیت کی اس ضلالت و انحراف اور ظلمت کو دیکھ کر مایوسی میں مبتلا ہونے لگتے ہیں حالانکہ یہی ظلمت صبح روشن کی آمد کا ناقوس بھی بجا رہی ہے۔

تبدیلی کا اصول

تہذیبی تبدیلی کے بارے میں تاریخ کے اندر سنت الٰہی یہ رہی ہے کہ جب انسانیت کا مجموعی نظام ایک مخصوص حالت کو پہنچ جاتا رہا ہے تو یکایک تبدیلی رونما ہو جاتی رہی ہے۔ تاریخ کے پچھلے ادوار میں اس تبدیلی کے لیے طویل طویل دور ملتے ہیں جنہیں قرآن کی زبان میں فترۃ من الرسل کہا گیا ہے یہ طوالت اس وجہ سے تھی کہ انسان اس حالت تک پہنچنے میں بڑی دیر لگاتا تھا جس حالت کی بنا پر تبدیلی رونما ہوتی تھی۔ کیونکہ تمدنی وسائل اور انسان پر اثر انداز ہونے والے عوامل اس قدر سست رفتار اور دیر اثر ہوتے تھے کہ انسانی معاشرہ بگڑتے بگڑتے بھی صدیاں کھا جاتا تھا۔ اب تمدنی وسائل اور انسان پر اثر انداز ہونے والے اسباب اس قدر سبک رفتار اور زود اثر ہیں کہ اگر تناسب نکالا جائے تو حاصل یہ نکلے گا کہ قدیم انسان اگر اپنے دور کے اثرات و انعکاسات کے تحت ایک سال کے اندر بگڑتا تھا تو آج کا انسان بگاڑ کی اس حالت تک صرف ایک دن کے اندر پہنچ جاتا ہے۔ یہ ہمہ گیر ذرائع ابلاغ، یہ فنی آلات، یہ نفسیات انسان کو شب و روز میں بدل کر رکھ دینے والے مرکبات، یہ ذہن و فکر کی دنیا کو آناً فاناً بدل دینے والے انکشافات، علم کی یہ برق رفتاری کہ ادھر حادثہ ہزاروں میل دور یوگنڈا میں پیش آیا اور ادھر اہل لاہور کے ذہن قلق و اضطراب میں مبتلا ہو گئے۔ ادھر شمشیر سفاک نے فلپائنی مسلمانوں کی گردنوں کو ناپا اور ادھر ترکی کی سڑکوں پر احتجاجی جلوس امڈ آیا۔ ادھر جاپان میں محمد علی نے کشتی لڑی اور ادھر نائیجیریا کے ٹیلی ویژن کے تماشائیوں پر غصہ یا مسرت کے جذبات طاری ہوئے۔

الغرض اثرات و انعکاسات کی یہ برق رفتاری شب و روز میں انسان کی حالت کیا سے کیا کیے دے رہی ہے۔

سابقہ تبدیلیوں اور موجودہ تبدیلی کا تناسب

لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ آئندہ تاریخ انسانی ہمہ گیر تبدیلی تک پہنچنے کے لیے صرف پچیس تیس سالوں میں وہ مسافت طے کر سکتی ہے جو قدیم انسان کے زمانے میں اور قدیم وسائل کے عہد میں وہ ۹ ہزار سالوں میں کر سکتی تھی۔ یعنی بیسویں صدی کی آخری چوتھائی کمیت کے لحاظ سے نہ سہی کیفیت کے لحاظ سے اسی دورہ تاریخ کے مساوی ہے جو بعض مورخین کے بیان کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان پایا گیا تھا۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ غلبۂ اسلام کی رفتار آئندہ ۲۵ سالوں کے اندر تیز تر ہو جائے گی۔ اور انسانیت اکیسویں صدی کا آغاز اسلام کے دورِ سعادت سے کرے گی۔ ان شاء اللہ۔

نیکیوں کا موسم

یہ بات اختلاف سے بالا ہے کہ ہر چیز کا ایک موسم ہوتا ہے۔ بلبل کے لیے موسم گل ہے۔ اگر بلبل موسم گل میں نہ چہچہائی تو آنے والے موسم گل تک وہ اپنی حرماں نصیبی پر آنسو بہاتی رہے گی، یا ہو سکتا ہے کہ آنے والی بہار ہی اسے نصیب نہ ہو۔ آپ دانا کسان اسے سمجھتے ہیں جو اپنی کھیتی عین اپنے موسم پر کاشت کرتا ہے۔ جو کھیتی موسم کے عروج میں کاشت کی جاتی ہے وہ بڑی کامیاب ہوتی ہے اور پیداوار کے لحاظ سے بھی بھرپور۔ بارش کا وہ ایک قطرہ جو اپنے صحیح موسم پر برستا ہے زیادہ نتیجہ خیز ہوتا ہے۔ اس موسلا دھار بارش سے جو موسم سے ہٹ کر برسے۔

یہی اصول نیکیوں پر بھی صادق آتا ہے۔ تاریخ کے اندر نیکیوں کے سیزن

گزرے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جو نوجوان فرعون کی مخالفت کے ایام شدت میں آنجناب پر ایمان لائے تھے وہ آزادی کے بعد ایمان لانے والوں سے یقیناً برتر تھے۔

فتح مکہ سے پیشتر جن لوگوں نے مالی قربانیاں دیں اور جہاد کیا ان کا درجہ اور تھا اور بعد میں جنہوں نے مالی قربانیاں دیں اور جہاد کیا ان کا درجہ اور تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ۔ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا۔

الغرض تاریخ میں نیکیوں کے خاص موسم آتے رہتے ہیں۔ ویسے تو ہر حال میں نیکی نیکی ہی ہے لیکن ایک خاص موسم میں اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ آج اگر بے حیائی اور عریانی کے دور میں کوئی نوجوان صرف بے حیائی سے بچتا ہے، بلکہ اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا ہے اس کی یہ نیکی یقیناً بالا نرخ ہوگی، اس لیے کہ ۹۹ اسباب اسے نیکی سے روکنے والے تھے اور ایک ایمان نے اسے نیکی پر اکسایا۔ اور یہ ایک اور ۹۹ کا مقابلہ ایسی حالت میں ہوا کہ اس مردانگی پر داد دے کر اس کا حوصلہ بڑھانے کے بجائے لاٹھیوں سے اس کی تواضع کی جاتی رہی۔ لہٰذا ۹۹ مخالفوں کے مقابلے میں میدان مارنے والا بطل اس پہلوان کے مقابلے میں زیادہ قدر کا مستحق ہے جس نے میدان تو مارا ہو لیکن مقابلے میں ایک حریف تھا یا دو۔

نیکیوں کی قیمت نوعیت کے لحاظ سے

اس بات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آج کی ایک معمولی نیکی بھی اپنی نوعیت کے لحاظ سے غیر معمولی قیمت رکھتی ہے۔ نیکی ایک اضافی امر کا نام ہے۔ بے شک نیکی بذات خود محبوب و مستحسن ہے۔ وہ خود اپنی ذات میں آپ ہی محمود ہے۔ مگر اس کی قیمت لگانے کے لیے یہ دیکھا جائے گا کہ کن حالات میں اسے سرانجام دیا گیا۔ اگر آپ خوشحال ملک اور خوشحال

انسانی جماعت کے اندر صدقہ وخیرات کرتے ہیں تو بے شک یہ ایک معروف فعل ہے۔ انسان اس کی قدر کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مگر جب غریب معاشرے کے اندر قحط وافلاس کے ایام میں اپنی بے بسی کے باوجود آپ کوئی صدقہ وخیرات کرتے ہیں تو قیمت کے لحاظ سے اس کی برتری کا کوئی ٹھکانا نہیں۔

مثلاً غزوۂ تبوک کے موقع پر صدیق اکبرؓ پورا گھر اٹھا لائے۔ عمر فاروقؓ نے اپنی آدھی کائنات نچھاور کردی۔ عثمان غنیؓ نے پورا لشکر تیار کردیا ـــــ یہ سب خوب ہے، بلکہ خوب تر۔ مگر وہ انصاری رات بھر ہاتھوں سے کنواں چلا چلا کر مزدوری کرتا رہا اور جو چند صاع کھجوریں اسے اجرت میں ملیں۔ وہ اپنے بھوکے بیوی بچوں کو دینے کے بجائے دربار رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں لے آیا ـــــ اس کو کیا مقام ملا؟ کیا یہ کہا گیا کہ یہ صاع دو صاع کھجوریں ہیں، اسے بھی جنگی فنڈ میں رکھ لو؟ ـــــ نہیں بلکہ دربار رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فیصلہ صادر ہوا کہ ان کھجوروں کو تمام جمع شدہ سامان کے اوپر پھیلا دو۔ یعنی یہ صاع دو صاع کھجوریں اپنی قیمت کے لحاظ سے قیمتی سے قیمتی سامان پر برتری لے گئیں۔ کیونکہ اس نیکی کی وہ اضافی حالت دیکھی گئی جس حالت میں اسے سرانجام دینے والے نے سرانجام دیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس نے نوجوانی میں عبادت کی اسے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں جگہ دے گا۔ اور اس روز خدا کے سایہ کے سوا کہیں کوئی سایہ نہ ہوگا۔ قیامت کے روز سایہ خداوندی کا حصول انعام الٰہی کا کمال ہے اور یہ جن لوگوں کو ملے گا ان میں سے ایک وہ نوجوان بھی ہوگا جس نے جوانی کی بھرپور طاقتوں کی کشاکش کے اندر اپنے آپ کو خدا کے آگے سرنگوں کردیا۔

اسی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ میری امت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں ایک نیکی ستر نیکیوں کے برابر ہوگی۔ صحابہؓ نے دریافت فرمایا کہ کیا اس دور

کی ستر نیکیوں کے برابر۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے دور کی ستر نیکیوں کے برابر۔

پس ہم آج اسی دور سے گزر رہے ہیں جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ دیوانوں کو خوشخبری ہو کہ یہ موسم ان کا موسم ہے:

موسم اچھا، پانی وافر، مٹی بھی زرخیز
جس نے اپنا کھیت نہ سینچا وہ کیسا دہقان

زوال پذیر نظریات

چونکہ یہ دور تحویل کا دور ہے یا بعض فلاسفہ کی اصطلاح میں تداخل کا موسم ہے۔ ایک تہذیب رخصت ہوا چاہتی ہے اور دوسری تہذیب کی آمد آمد ہے۔ اس لیے از خود ذہنوں کے اندر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ دوسری تہذیب کونسی ہوگی؟ اس سوال کا جواب حاصل کرنے کے لیے ہم یہ جائزہ لیں کہ اس وقت دنیا میں کون کون سے نظریات یا تہذیبی افکار پائے جاتے ہیں اور ان میں سے کون سا یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ دعویٰ تاریخ کا جواب دعویٰ بن کر اٹھے۔

ا ـــــ مسیحیت کو لیجیے، یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ مسیحیت خود عالم نزع میں ہے۔ اس کا اعتراف خود مسیحیت کے علمبردار کر رہے ہیں۔ امریکہ کی ریاست ایوا میں کیتھولک چرچ کی ایک قسیسہ نے یہ بیان جاری کیا ہے کہ امریکہ میں کیتھولک مذہب جلد ہی ختم ہو رہا ہے۔ اس نے دعا کی ہے کہ رب اسے جلدی موت دے دے تاکہ وہ کیتھولک فرقے کا آخری زوال دیکھنے سے بچ جائے۔" اس نے کہا ہے کہ "امریکہ کا کیتھولک چرچ مسلسل انحطاط کی طرف جا رہا ہے۔ نوجوانوں کے اندر نئے نئے رجحانات پیدا ہوگئے ہیں جو تمام پابندیاں ختم کرنے کے درپے ہیں"

یہ تو امریکہ کے کیتھولک چرچ کے بارے میں ہے۔ خود روم کے ویٹی کن کی حالت

بہت خراب ہو چکی ہے۔ پوپ سے لے کر عام پادریوں تک ہر شخص اپنے ہی مذہب کے اندر شکوک و شبہات میں مبتلا ہو چکا ہے۔ راقم نے لیبیا میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے مناظرہ کے اندر خود یہ منظر دیکھا کہ بڑے بڑے عیسائی پادری، بشپ و آرچ بشپ تک متزلزل ہو رہے تھے۔ ایک لارڈ بشپ نے تو سب کو یہ دعوت ہی دے دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت تسلیم کر لی جائے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ عیسائیت کا کوئی مستقبل نہیں ہے[1]۔

۲ــــ یہودیت کو لیجیے: یہودیت دراصل کسی مذہب کا نام نہیں رہا، بلکہ یہ ایک نسل پرست گروہ کا نام ہے۔ اور خود موجودہ تہذیب خواہ وہ سرمایہ داری کے لباس

---

[1] یہ خبریں بھی مسلسل آتی رہتی ہیں کہ بعض ممالک میں عیسائیت کی سرگرمیاں عروج پر ہیں، مثلاً انڈونیشیا میں۔ اسی طرح یہ خبر بھی بار بار سننے رہتے ہیں کہ افریقہ ...۲۰عیسوی میں "مسیحی براعظم" بن جائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مختلف عیسائی ادارے اپنے مشن میں پوری طرح سرگرم ہیں، لیکن جو چیز قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ عیسائیت کی تبلیغ مذہب و عقیدے کی بنیاد پر نہیں کی جا رہی ہے، بلکہ پسماندہ ملکوں میں ترویج عیسائیت کے لیے خدمت خلق کو ذریعہ بنایا جا رہا ہے۔

غریب آبادیوں میں سکول اور اسپتال کھول کر انہیں اعتماد لیا میں لیا جاتا ہے اور خوشحال یا متوسط الحال ملکوں میں نوجوان نسل کے اندر بے حیائی اور آوارگی کی ترویج کی جاتی ہے، تاکہ ان کے اخلاق و کردار کو بودا بنا دیا جائے۔ یہ ہتھکنڈے اور ان کی بدولت پھیلائے جانے والے مذہب کی مثال جھاڑ جھنکار کی ہے جسے زوردار ہوا ایک ہی لمحے میں اکھاڑ کر رکھ دیتی ہے۔ تاہم حق اور باطل کی کشمکش میں اسباب بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ باطل اگر پورے لاؤ لشکر کے ساتھ نکلا ہوا ہے تو اہل حق بھی گھر میں بیٹھے کامیابی کا منہ نہیں چومیں گے۔ بلکہ انھیں بھی پورے وسائل بروئے کار لا[illegible]وں گے۔

میں ہے یا کمیونزم کے لباس میں یہودی فلسفہ کی پیداوار ہے۔ اور یہی تہذیب اپنے دونوں کیمپوں سمیت اب دم توڑ رہی ہے۔ یہودی قوم اسرائیل کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے کے لیے پوری طرح کوشش کر رہی ہے، مگر اس کی ساری کوششوں کا ماخذ امریکہ ہے۔ اور اب امریکہ کے اندر یہودیوں کے خلاف آواز اٹھ چکی ہے۔ جیرالڈ سمتھ نے جو وزارت خارجہ کا ایک بڑا افسر رہا ہے یہودیوں کے خلاف حال ہی میں جو وائٹ پیپر نکالا ہے اس میں اس نے صاف لکھا ہے کہ آئندہ یہودیوں کی شامت خود امریکہ کے اندر آنے والی ہے۔ کیونکہ امریکی قوم کے اندر ان کی سازشوں کے خلاف انتقام کی آگ بھڑک رہی ہے[1]۔ اور ادھر امریکی سینٹ اور امریکی کانگریس جو موجودہ تہذیب کی کسٹوڈین ہے اخلاقی طور پر اپنا دیوالہ نکال چکی ہے۔ ٹائن بی نے رومن تہذیب کے زوال کی کہانی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "رومن تہذیب بھی دیگر تہذیبوں کی طرح اخلاقی بگاڑ کی وجہ سے مٹ گئی ہے" اور اس نے یہ کلیہ بیان کیا ہے کہ "جو تہذیب بھی اخلاقی فساد پر قائم ہوگی وہ بظاہر کیسی ہی پرشکوہ اور پائیدار نظر آتی ہو لاریب اوندھے منہ گر کر رہے گی"۔ ــــ یعنی قرآن کی زبان میں:۔

"وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا"۔

(جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے عیاش لوگوں کو

---

[1] اسرائیل کے اندر دو سال سے فلسطین کی نسل نو نے جہاد کی تحریک برپا کر رکھی ہے۔ یہ تحریک مالی وسائل کی کمی کے باوجود جاری و ساری ہے۔ اس کے پیچھے ایمان، جہاد اور جذبۂ شہادت کی طاقت کام کر رہی ہے۔ یہودی اسلحہ و دولت کی افراط اور امریکہ کی پشت پناہی کے باوجود اس تحریک سے لرز رہے ہیں۔

نیکی کا حکم دیتے ہیں مگر وہ وہاں فسق و فجور کا بازار گرم کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد اس بستی پر ہمارا فیصلہ لاگو ہو جاتا ہے اور ہم اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے ہیں)۔

انسانیت کا واحد نجات دہندہ

اب میدان میں صرف اسلام واحد امیدوار باقی رہ جاتا ہے۔ ایک جرمن مصنف پاؤل شمتز اپنی کتاب "اسلام مستقبل کی عالمی طاقت ہیں" لکھتا ہے:

"انسانی تاریخ مختلف گردشوں کا نام ہے۔ چنانچہ ہر تہذیب کا ایک دور ہوتا ہے جس میں وہ غالب و برتر ہوتی ہے۔ پھر اس میں پسپائی شروع ہو جاتی ہے اور آخر کار وہ مرجھا جاتی ہے۔ تاکہ اس کی جگہ نئی گردش اپنی تہذیب لے کر آئے۔ اور اب آئندہ آنے والی گردش اسلام کے لیے طے ہو چکی ہے۔ اور یہ اسی علاقے میں اٹھے گی جہاں سے صدر اوّل میں اسلام کی عالمی طاقت اٹھی تھی۔"

چنانچہ اب اس میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ یہ دور دورِ اسلام ہے۔ اور جیسا کہ میں شروع میں عرض کر چکا ہوں پچیس تیس سال تک یہ حالت ہو جائے گی کہ انسان تمام انسانی نظریوں اور فلسفوں کو، مادی تہذیب کے تمام مظاہر و مناظر کو اور بے خدا تمدن کے ایک ایک آبگینے کو اٹھا کر سمندروں میں پھینک دے گا۔ اور صرف خداوند قدوس کی آخری کتاب قرآن مجید کو اپنے سر کا تاج اور اپنی آنکھ کا سرمہ بنائے گا۔ ان شاء اللہ۔

غلبۂ اسلام کا آغاز ہو چکا ہے

اور اب بالفعل اسلام کے دورِ نو کا آغاز ہو چکا ہے۔ اسے آپ ذیل کی مثالوں سے سمجھ سکتے ہیں:۔

۱ــــ دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں اسلام کی آواز نہ اُٹھ چکی ہو۔ امریکہ میں ایم ایس اے کی تازہ رپورٹ کے مطابق صرف ایم ایس اے کے ذریعہ ایک سو امریکن ماہانہ مسلمان ہو رہے ہیں۔ خود ایم ایس اے کی طاقت کا آپ یوں اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسے امریکہ میں قائم ہوئے ۱۳ سال ہوئے ہیں اور آج اس کے ارکان کی تعداد آٹھ ہزار ہے۔ ہر یونیورسٹی میں اس کی شاخ کھل چکی ہے۔ اور اس کی مجموعی شاخیں ۱۷۲ ہیں۔ ایک سو ڈالر سالانہ بجٹ سے اس نے اپنا کام شروع کیا اور اب صرف اس کا مرکزی بجٹ تین لاکھ ڈالر ہے۔ اس کا امریکہ میں اپنا پریس ہے اور اس کی طرف سے دو رسالے نکلتے ہیں۔ یہ تو صرف ایم ایس اے کی روداد ہے۔ وہاں مقامی متعدد تنظیمیں ہیں۔ ہند و پاک کے لوگوں کے حلقہ ہائے احباب ہیں۔ تمام بڑے بڑے شہروں میں ان کی شاخیں ہیں۔ ہر شہر میں ان کے نمائندے موجود ہیں[1]۔

۲ــــ یورپ کا کوئی ایسا ملک نہیں ہے جہاں اسلام کے مراکز اور داعیانِ حق کی تنظیمیں نہ بروئے کار آ گئی ہوں۔ انگلستان کے بعد فرانس کے اندر اس وقت اسلامی لٹریچر کثرت سے پھیل رہا ہے اور وجود میں آ رہا ہے۔ فرانس کے اندر ایسے بے لوث فرانسیسی کافی تعداد میں ابھر رہے ہیں جو اسلام کے بارے میں حقیقت پسندانہ کتابیں لکھ رہے ہیں۔

---

[1] امریکہ میں ایم ایس اے اور دوسری بہت سی تنظیموں نے مل کر ایک ایسوسی ایشن قائم کر دی ہے جسے (ISNA) کہا جاتا ہے۔ اس کا ہیڈ کوارٹر انڈیاناپولیس میں ہے۔ اوپر جن سرگرمیوں کا ذکر کیا گیا ہے اب ان میں کئی گنا اضافہ ہو چکا ہے۔ تحریک اسلامی ہند و پاک سے تعلق رکھنے والے احباب نے بھی ایک تنظیم قائم کر رکھی ہے جسے اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ (ICNA) کہا جاتا ہے اس کی کارکردگی بھی حوصلہ افزا ہے۔

۲ —— بلکہ تاریخ حاضر کا یہ عظیم واقعہ بھی پیش آچکا ہے کہ اسپین میں دعوت اسلامی اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ غرناطہ کے اسلامک سنٹر سے الاندلس کے نام سے فرانسیسی اور عربی میں ایک ماہ نامہ نکل رہا ہے۔ مزید برآں یہ کہ اسلامک سنٹر آئندہ نومبر میں مسلمانوں اور عیسائیوں کی کانفرنس منعقد کر رہا ہے جس میں مسلمان علماء اسلام کی صداقت ثابت کریں گے اور عیسائی پادری عیسائیت کا تعارف کرائیں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس کانفرنس کا جو نتیجہ ہوگا وہ قرآن کریم کی اس آیت کی تفسیر ہوگا کہ :۔

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

اس کانفرنس میں مولانا مودودی کو بھی مدعو کیا گیا ہے۔

۳ —— جرمنی کے اندر غیر جرمن مسلمانوں کی تعداد ۱۲ لاکھ ہے۔ ایک معتدبہ تعداد جرمن مسلمانوں کی بھی ہے، آخن، میونخ، ہمبرگ اور برلن میں اسلامی مراکز قائم ہیں۔ صرف مغربی جرمنی میں ۵۰ ہزار مسلمان ہیں۔ ان سب مقامات پر مسلمان نوجوانوں کی مختلف تنظیمیں اپنے اپنے حلقے میں اشاعت اسلام میں مصروف ہیں۔

۴ —— افریقہ کے ہر حصے میں مسلمان بیدار ہو رہے ہیں۔ اور روزانہ لاتعداد افراد حلقہ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔ راقم نے فروری ۱۹۷۶ء میں مشرقی افریقہ کا دورہ کیا ہے وہاں میرے سامنے نیروبی کی جامع مسجد میں ایک جمعہ کو کینیا کا ایک پورا چرچ مسلمان ہو گیا۔ پادری اور تین سو اس کے پیروکار۔ افریقہ کا انسان بے پناہ صلاحیتوں کا مالک ہے۔ اس کے اندر وہی صفات پائی جاتی ہیں جو عہد رسالت میں عرب بدوؤں کے اندر پائی جاتی تھیں۔ ان شاء اللہ افریقہ میں اسلام پھیل گیا تو اسلام کو ایسی قوم ہاتھ آجائے گی جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مصداق ہوگی کہ :۔

"خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام"

"برطانیہ کا اخبار ٹائمز لکھتا ہے "اسلام پھیل رہا ہے خاص طور پر افریقہ میں۔""

۵ —— ایشیائی اقوام میں جاپانی قوم اسلام کی گود میں آنے کو تیار بیٹھی ہے۔ اسے امریکی استعمار سے نفرت ہے۔ عیسائیت کے اندر اس کے لیے کوئی دلچسپی نہیں۔ شنتو مذہب کا طلسم اس کے سامنے ٹوٹ چکا ہے۔ مادی لحاظ سے وہ خوشحال ہے۔ روحانی خلا نے اسے بے چین کر رکھا ہے۔ اب تک ۲۲ ہزار جاپانی مسلمان ہو چکے ہیں۔ پچھلے دنوں جاپان نے ایک عجیب و غریب نظارہ دیکھا ہے۔ جاپان کا اسلامی سنٹر اس نظارے کا عنوان قائم کرتا ہے "ایام اللہ" اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۱۹۷۵ء کے اوائل میں ٹوکیو کے سب سے بڑے اسپتال کا انچارج ڈاکٹر جس کا نام شوقی فوتاکی ہے ایک روز اپنے بچے اور چند رفقاء سمیت اسلامی مرکز کی مسجد میں آکر مسلمان ہو جاتا ہے۔ مسلمان ہونے کے بعد وہ اعلان کرتا ہے کہ جس نور سے اس کا سینہ منور ہوا ہے اسے جاپان کے ایک ایک فرد تک پہنچائے گا۔ اس نے اسپتال کی مالک کوآپریٹو سوسائٹی کے ارکان کے اندر جن کی تعداد دس ہزار ہے تبلیغ شروع کر دی ہے۔ ان ارکان میں وزراء بھی ہیں اور پارلیمینٹ کے ممبر بھی۔ یونیورسٹیوں کے پروفیسر بھی اور تاجر بھی۔ چنانچہ اس کی کوششوں کا فوری نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ۲۱ مارچ ۱۹۷۵ء کے جمعۃ المبارک کو ۲۸ افراد یکبارگی حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ انہیں دیکھ کر اسلامک سنٹر "اللہ اکبر" کے نعروں سے گونج اٹھا۔ ۱۴/اپریل ۱۹۷۵ء کو دو سو جاپانی مزید مسلمان ہوئے۔ ڈاکٹر شوقی فوتاکی ایک بے تاب انسان کی طرح ابھی تک اپنی دھن میں مست ہے۔ اس کا بیان ہے کہ اگر اسے وسائل میسر آگئے تو چند سال کے اندر جاپان کو اسلام کے قدموں میں لاکر ڈال دے گا۔

صالح مہدی سامرائی (ہمارے ایک عراقی دوست جو اسلامک سنٹر جاپان میں رابطہ عالم اسلامی کے نمائندے ہیں) اپنی رپورٹ میں بتاتے ہیں کہ ایک جاپانی نوجوان ٹرک ڈرائیور اوساکا سے ٹوکیو ان کے پاس آیا۔ اوساکا ٹوکیو سے سات سو کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ مجھ سے اس نے پہلا سوال یہ کیا کہ نماز کیسے پڑھی جاتی ہے؟ پھر بتانے لگا کہ میں نے

عمر میتا کا جاپانی میں ترجمہ قرآن پڑھا ہے۔ اس ترجمے کو پڑھ کر میں نے اس معبود کو پالیا ہے جس کی تلاش میں میری روح سرگرداں رہتی تھی۔ وہ کہنے لگا کہ میں آپ سے دو باتیں پوچھنے آیا ہوں۔

۱ــــ "میں اپنے والدین کے بارے میں کیا رویہ اختیار کروں۔ کیا ان سے اسی طرح اظہار برأت کروں جس طرح اللہ کے نبی ابراہیم نے کیا تھا۔ پس میں عدالت میں چلا جاؤں گا اور والدین سے اپنی برأت رجسٹر کروا آؤں گا۔" ــــ میں نے اسے لقمان کی یہ وصیت پڑھ کر سنائی کہ: "لَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا" (تو مشرک والدین کی اطاعت نہ کر، البتہ دنیا کے معاملات میں ان کا بھلے طریقے سے ساتھ دیتا رہ) وہ یہ جواب سن کر مطمئن ہوا۔

۲ــــ دوسرا اس نے یہ سوال کیا کہ میں اپنی زکوٰۃ کیسے دوں۔ میں یہ سن کر حیران ہوا کہ سبحان اللہ! یہ انسان جو ابھی ابھی مسلمان ہوا ہے مجھ سے پوچھ رہا ہے کہ میں زکوٰۃ کیسے دوں۔ اب اس کا اسلامی نام انس ہے۔

الغرض مشرق ہو یا مغرب ہر جگہ اسلام کے کرشموں کا آغاز ہو چکا ہے۔

۶ــــ دو تین سال سے ایک نئی تحریک کانفرنسوں کی شکل میں برپا ہو چکی ہے۔ اور یہ کانفرنسیں مسلمانوں کی متفرق طاقتوں اور قابلیتوں کو الگ الگ صنف کے لحاظ سے مجتمع کر رہی ہیں۔ مکہ کی اقتصادی کانفرنس میں چوٹی کے مسلمان ماہرین معاشیات جمع ہوئے۔ ریاض کی سائنس اور ٹیکنالوجی کانفرنس میں ممتاز مسلمان سائنس داں اور ماہرین فن جمع ہوئے۔ (ان میں ایک ڈاکٹر فاروق الباز بھی تھا۔ یہ مصر کا مسلمان سائنس داں ہے اور کئی سالوں سے امریکہ میں مقیم ہے۔ ۶ سال تک واشنگٹن کی ریسرچ لیبارٹیریز سے وابستہ رہا ہے۔ چاند کی تحقیقات اور چاند کی دنیا کے منصوبے کا انچارج رہا ہے اور ابھی سیاروں سے متعلق تحقیقات کا کام کر رہا ہے۔ اپالو کی پروازوں کا نگراں بھی ہے۔ اور ان سے جو نتائج

برآمد ہوئے ہیں ان کے تحقیقاتی مطالعہ کی سرپرستی کر رہا ہے۔ اس نے اپنی بے پناہ قابلیت کی بدولت متعدد امریکی پرائز حاصل کیے ہیں۔) اور پھر لندن کی بین الاقوامی اسلامی کانفرنس یورپ کے دل میں منعقد ہوئی ہے۔ اور دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں کے زعما وہاں جمع ہوئے ہیں اور اسلام کی صحیح تصویر اہل مغرب کے سامنے پیش کی گئی ہے۔

کچھ کانفرنسیں اسلام کے نام پر غیر مسلم بھی کر رہے ہیں۔ مثلاً لندن کا اسلامک فسٹول۔ یہ بھی اسلام کی موجودہ حرکت و بیداری کا ایک ثبوت ہے۔ اسلامک فسٹول منعقد کرنے والے خواہ اسلام کے خلاف کیسا ہی جذبہ رکھتے ہوں اسلام ہر رنگ میں اپنی حقانیت منوالے گا۔

راقم نے لندن میں جو نمائشیں اسلامک فسٹول کے زیر اہتمام دیکھی ہیں ان میں دو نمائشیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک قرآن کریم کی نمائش اور دوسری مسلم سائنس کی نمائش۔ ان دونوں نمائشوں سے اسلام کی صداقت اور اس کے روشن ماضی کا ثبوت مل رہا ہے۔

۷ــــ یہ اتفاق کی بات ہے کہ جماعت اسلامی پاکستان ہر کانفرنس میں مدعو ہوتی ہے۔ دراصل مسلمانوں کے باشعور عنصر پر دنیا میں ہر جگہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ جماعت اسلامی دنیا کی سب سے بڑی منظم فعال اور جامع اسلامی تحریک ہے۔ اس لیے ہر جگہ کے لوگ اسے بنظر استحسان دیکھتے ہیں۔ اور اس کے تجربات سے استفادہ کے خواہش مند ہیں۔ یہ بات جماعت اسلامی کے لیے باعث عزّت بھی ہے اور اسے ذمہ داری کے نازک مقام پر بھی لاکر کھڑا کر دیتی ہے۔

اس لیے میں آپ حضرات سے عرض کروں گا کہ آپ کی آواز کسی ایک ملک میں نہیں دنیا بھر کے اندر گونج رہی ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے وہ شرف بخشا ہے جو ہر دور میں وہ جلیل القدر مصلحین کو بخشتا رہا ہے[۱]۔

---

[۱] حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ ہو۔

تحریک اسلامی کے کارکنوں کا فریضہ

اب حالات تقاضا کر رہے ہیں کہ آپ اپنی جد و جہد کو تیز کریں۔ آپ ایسے بن جائیں کہ دوسرے آپ کو دیکھ کر بے ساختہ یہ کہہ اٹھیں کہ یہ لوگ "رھبان باللیل وفرسان بالنہار" (رات ہو تو راہب اور دن ہو تو شاہ سوار)

یہ آپ کے لیے نیکیاں کمانے کا موسم ہے۔ اور جیسا کہ میں شروع میں عرض کر چکا ہوں آج کی نیکی اپنی قیمت کے لحاظ سے بڑی وزنی ہے۔

اٹھیے، اور عشق رسول کا جام طہور پی کر اللہ کے راستے میں دیوانہ وار نکل پڑیئے۔ اور اس وقت تک دم نہ لیجیے جب تک اللہ کا دین غالب نہ ہو جائے۔ اگر ایک امریکی خلاباز نے کچھ عرصہ پیشتر چاند پر جھنڈا گاڑا تھا تو آپ اس صدی کے خاتمہ سے پہلے پہلے کرۂ ارض پر غلبہ اسلام کا پھریرا لہرا دیں۔ یہ پھریرا زمین پر لہرائے گا اور ساتوں آسمانوں سے بھی اس کے لیے مرحبا و احسنت کی صدائیں بلند ہوں گی۔

"اِلَیۡهِ یَصۡعَدُ الۡكَلِمُ الطَّیِّبُ وَالۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُه"

(پاکیزہ باتیں آسمان کی طرف اٹھتی ہیں اور عمل صالح انھیں اوپر تک پہنچا دیتے ہیں) تاریخ یہ گواہی دے گی کہ ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے شیدائیوں نے دنیا سے کفر و شرک کی تاریکیاں مٹا

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) اسلام کے احیاء کا اصل کام مسلم ممالک میں ہو رہا ہے۔ اگر یہ تحریک کسی مسلمان ملک میں کامیاب ہو جاتی ہے تو پھر دیگر ممالک میں بھی اس کے راستے ہموار ہو جائیں گے۔ ہمیں امید ہے کہ جہاد افغانستان کی کامیابی کے بعد افغانستان میں جو نظام برپا ہوگا وہ اسلام کی بالادستی کو دنیا بھر میں قریب سے قریب تر کر دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ دشمن طاقتیں جہاد افغانستان کو اصل نتائج تک پہنچنے میں مزاحم ہو رہی ہیں۔

کر، کفر کے جھاڑ جھنکار صاف کر کے، اور ظلم و ستم کی بساط لپیٹ کر انسانیت کو خدا پرستی سے ہمکنار کر دیا۔ اسے امن و سعادت کی گود میں لا ڈالا۔

اور پھر قیامت کے روز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بلا بلا کر فرمائیں گے کہ آیئے حوضِ کوثر سے میں آپ کو اپنے ہاتھ سے جام پلاتا ہوں۔ کیونکہ آپ نے مخلوق خدا کو اس وقت زمزم حق پلایا تھا جب وہ ضلالت کے لق و دق صحرا میں تشنگی سے نڈھال ہو رہی تھی۔ یہ اجر بے مثال ہے۔

آخر میں میں اس حدیث پر بحث ختم کرتا ہوں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: ان الایمان لیخلق کما یخلق الثوب فجددوہ بقول لا الٰہ الا اللہ" (ایمان اس طرح پرانا ہو جاتا ہے جس طرح کپڑا پرانا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا تم لا الٰہ الا اللہ کی تکرار سے اسے تازہ کر لیا کرو) اَشۡهَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشۡهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ

جماعت اسلامی کی دستوری جدّوجہد

——— اور ———

عالمِ اسلام پر اس کے اثرات

یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ مسلمان ممالک میں آزادی کی جتنی جنگیں لڑی گئی ہیں انہیں برپا کرنے میں دینی زعماء نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ انہوں نے ہی عوام کے اندر جہاد کا جذبہ پھونکا اور استعمار سے نجات کو اسلام کا فریضہ قرار دیا اور پھر خود اس فریضے پر عمل کیا اور میدان جہاد میں اتر پڑے مثلاً:

مراکش پر بیک وقت دو سامراجی طاقتیں قابض تھیں: اسپین تطوان پر اور فرانس بقیہ حصّے پر۔ مجاہد کبیر محمد عبدالکریم خطابی نے اسپین اور فرانس کے خلاف جہاد کیا۔ موصوف دینی علوم سے خوب بہرہ ور تھے۔ یکم مارچ ۱۹۵۶ء کو مراکش آزاد ہوا۔ اور اب تک یہ عظیم اسلامی ملک اسلامی نظام سے محروم ہے۔

الجزائر میں آزادی کی جنگ لڑنے والے نامور علماء تھے۔ فرانسیسی استعمار کے داخلے کے وقت امیر عبدالقادر الجزائری (۱۸۱۷ء ـــــ ۱۸۸۳ء) طویل مدّت تک فرانس کے آگے ڈٹے رہے اور پھر آخر میں الجزائر کے عالم جلیل عبد الحمید بن بادیس (۱۹۸۹ء ـــــ ۱۹۴۰ء) اور ان کے رفیق خاص علامہ محمد البشیر الابراہیمی (۱۹۸۸ء ـــــ ۱۹۶۵ء) نے الجزائری قوم کے اندر آزادی کا ولولہ پیدا کیا اور بالآخر فرانس کو الجزائر سے دستبردار ہونا پڑا۔ اور الجزائر ۱۹۶۲ء میں آزاد ہوگیا۔ آزادی کے بعد عباس فرحات، بن بلا اور پھر ہواری بومدین یکے بعد دیگرے اشتراکیت اور آمریت کے امتزاج سے ایک ظالمانہ نظام کے نقیب بنے رہے۔ اور آج بھی الجزائر شاذلی بن جدید کے دور میں اسلامی دستور و قانون سے دور ہے۔ صرف اتنی تبدیلی آئی ہے کہ الجزائری دستور سے اشتراکیت کا لفظ نکال کر اسلام رکھ دیا گیا ہے۔

تونس بھی مدت تک فرانسیسی استعمار کے پنجے میں کراہتا رہا۔ علامہ عبدالعزیز الثعالبی

۱۸۷۴ء — ۱۹۴۴ء) اور ان کے شاگرد محی الدین القلیبی (وفات ۱۹۵۵ء) نے فرانس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور آخر کار فاتح اسلام عقبہ بن نافع کا ملک اور قدیم ترین اسلامی یونیورسٹی زیتونہ کے سپوتوں کی سرزمین ۱۹۵۶ء میں آزادی سے ہمکنار ہوئی۔ مگر اس کی بدقسمتی دیکھیے کہ آزادی کے سارے ثمرات ایک بے دین شخص بورقیبہ نے لوٹے اور طویل آمریت کے بعد ۱۹۸۷ء میں یہ بت پاش پاش ہوا۔ اس پورے دور آمریت میں تونس میں الحاد و اباحیت کو رواج دیا گیا۔ اور اب نئے حالات میں تونس کا مسلمان منتظر ہے کہ کب وہ اپنے ملک میں نظام شریعت کی بہار دیکھے۔

عمر المختار (۱۸۵۸ء — ۱۹۳۱ء) احمد الشریف السنوسی (۱۸۶۷ء — ۱۹۳۳ء) جیسے عظیم مجاہدوں کا ملک لیبیا ایک عرصہ سے اطالوی سامراج سے گلو خلاصی کرا چکا تھا اور وہاں سنوسی خاندان کی حکمرانی قائم ہو چکی تھی اور ضرورت تھی کہ کوئی خدا کا بندہ اٹھ کر اس بہادروں اور مجاہدوں کی سرزمین میں اسلام کا صحیح نظام جاری کرتا۔ مگر یکم ستمبر ۱۹۶۹ء سے کرنل معمر القذافی نے اپنی ایک حزبی آمریت میں اسے بری طرح جکڑ رکھا ہے اور خدا جانے کب تک اس کی آزمائش کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

مہدی سوڈانی کے ملک کی حالت بھی مختلف نہیں ہے۔ علماء و صوفیاء نے انگریزی استعمار کے خلاف جنگ لڑی۔ ۱۹۵۶ء میں اسے انگریز کی غلامی سے نجات ملی۔ مگر وہ فوجی آمروں اور طالع آزما سیاستدانوں کے مابین لڑھکتا رہا ہے۔ اسلامی دستور بن بن کر ٹوٹتا رہا ہے اور اب تو اس کا آدھا حصہ توڑنے کی سازشیں ہو رہی ہیں۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد شام پر فرانس نے قبضہ کر لیا۔ تمام قوم دم بخود ہو گئی۔ آخر ایک عالم جلیل اور محدث عظیم شیخ بدر الدین الحسینی (۱۸۵۱ء — ۱۹۳۵ء) نے ملک کا دورہ کر کے یکایک انقلاب کی لے جگا دی اور فرانس کو شام سے نکلوا کر دم لیا۔ مصطفیٰ السباعی (۱۹۱۵ء — ۱۹۶۴ء) اور ان کے ساتھی بھی اس میں بھرپور حصہ لیتے رہے۔ آزادی

کے بعد شامی قوم پوری طرح سنبھلنے نہ پائی تھی کہ کرنل حسنی الزعیم (۱۹۴۹ء) اور ادیب الشیشکلی جیسے فوجی ڈکٹیٹروں نے نفاذ اسلام کے سلسلے میں قوم کی آرزوؤں پر پانی پھیر دیا۔ بے شک کچھ درمیانی وقفے ایسے بھی آتے رہے ہیں کہ عوام اپنے نمائندوں کے ذریعے شام کو ایک اسلامی ریاست میں بدلنے کی کوشش کرتے رہے ہیں، مگر ۱۹۶۳ء سے عوام کے لیے ایسے تمام راستے بند ہو چکے ہیں۔ صلاح جدید اور پھر حافظ اسد نے شام کو "اشتراکیت" "حریت" اور "مساوات" کا ایسا درس دے دیا ہے کہ وہاں اب کوئی شریف انسان زندگی نہیں بسر کر سکتا۔ یہ ظلم کی رات بھی اب ختم ہونے کو ہے۔

شیخ امجد الزہاوی (وفات ۱۹۶۷ء) اور رشید عالی الکیلانی عراق کو انگریزوں سے نجات دلانے والے تھے، مگر پہلے بادشاہی دور میں نوری سعید نے اور پھر عبد الکریم قاسم نے عراق کو اسلام سے کوسوں دور کر دیا اور اب ایک مدت سے صدام حسین وہاں بعث ازم کا رکھوالا بنا ہوا ہے۔

الغرض جمال الدین افغانی (۱۸۳۹ء — ۱۸۹۷ء) امیر شکیب ارسلان (۱۸۶۹ء — ۱۹۴۶ء) ترک جرنیل جواد رفعت اتیل خان (۱۸۸۹ء — ۱۹۶۷ء)، بدیع الزماں نورسی مجدد ترکی (وفات ۱۳۷۹ھ)، مجاہد فلسطین عز الدین القسام (۱۸۸۲ء — ۱۹۳۵ء) فلسطین کے نامور سپوت عبد القادر الحسینی (۱۹۰۸ء — ۱۹۴۸ء)، انڈونیشیا میں نامور عالم دین الحاج عمر سعید اور ہاشم اشعری، اور ہندوستان میں مولانا محمد علی جوہر، علامہ اقبال اور دیگر علمائے دین آزادی کے نقیب بن کر ملت اسلامیہ کے مردہ جسم میں روح پھونکتے رہے اور اسے استعمار کے خلاف کھڑا کر دیتے رہے، یہاں تک کہ تمام مسلم ممالک سے استعمار کی بساط لپٹ گئی۔ اور پھر بجائے اس کے کہ نظام اسلام کا سورج طلوع ہوتا اور نہ صرف عالم اسلام بلکہ چار دانگ عالم میں اس کی شعاعیں پھیلتیں، ایسے لوگ برسر اقتدار آ گئے جو مسلمان ممالک کو اسلام سے دور سے دور تر کرتے گئے۔ چنانچہ ان تمام ممالک

میں اسلام کے نفاذ کے لیے اسلامی تحریکیں برپا ہوئیں۔

"جماعت اسلامی کی دستوری جدوجہد اور عالم اسلام پر اس کے اثرات" پر مبنی مضمون اس دور کی ایک جھلک پیش کرتا ہے جب مسلمان ممالک آزادی کے بعد اپنے لیے نئی منزلیں طے کر رہے تھے۔ ایک طرف آزادی کے بعد برسر اقتدار آجانے والا وہ طبقہ تھا جو ملک میں من مانی کرنا چاہتا تھا اور ہر قیمت پر اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے پر تلا ہوا تھا اور دوسری طرف اسلام کے نام لیوا نظام ریاست کو اسلام کی بنیاد پر استوار کرنا چاہتے تھے۔

گو یہ مضمون پرانا ہو چکا ہے، مگر ہماری تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ اور پھر ہم دستوری لحاظ سے اور دوسرے معنوں میں شریعت اسلامیہ کی بالاتری کے لحاظ سے وہیں کھڑے ہیں جہاں آزادی کے بعد کھڑے تھے، بلکہ اور بھی بدتر حالات سے دوچار ہیں اس لیے امید ہے کہ قارئین کرام اس مضمون کو پرانا سمجھ کر نظر انداز نہیں کریں گے۔ خاکسار نے جگہ جگہ حواشی لگا کر کہنگی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔

(خ — ح)

پاکستان کی دستور اسلامی کی مہم نے عالم اسلامی پر جو اثرات ڈالے ہیں اس وقت ان سب کا احاطہ کرنا تو ہمارے لیے مشکل ہے۔ البتہ اس مختصر مقالے میں ہم چند ان مسلمان ممالک کا جائزہ لیتے ہیں جو اس مہم سے نہ صرف متاثر ہوئے ہیں بلکہ اس کی صدائے بازگشت بھی وہاں سے بلند ہوتی رہی ہے۔ چونکہ بین الاقوامی سیاسیات کی وجہ سے اسلامی ممالک کے باہمی تعلقات کی نوعیت ایسی رہی ہے کہ ایک ملک کے اندرونی حالات بالخصوص احیائے اسلام کی سرگرمیاں دوسرے ملک تک یا تو سرے سے پہنچی ہی نہیں ہیں یا اگر کچھ پہنچتی ہیں تو نیوز ایجنسیوں کی چھلنیوں نے انہیں مسخ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ اس لیے عام لوگ اس پہلو سے بہت کم واقف ہیں۔ چنانچہ مارچ

۵۶ء میں جب پاکستان کا دستور بنا تھا (اور اس میں کچھ نہ کچھ اسلامی دفعات بھی تھیں) تو اس پر دنیائے اسلام کے اسلام پسند عناصر نے بڑی مسرت کا اظہار کیا تھا اور اس کی خوشی میں تقریبیں منائی گئی تھیں۔ انڈونیشیا کی مسلم خواتین کی طرف سے اظہار تشکر کیا گیا۔ سعودی عرب کے حکمراں شاہ سعود نے اسکندر مرزا کو ایک برقیہ بھیجا جس میں کہا:۔

"میں اسلامی دستور کی تدوین اور پاکستان کو اسلامی جمہوریہ قرار دینے پر آپ کو، آپ کی حکومت کو اور پاکستانی قوم کو قلبی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اس اعلان نے ہمارے دل اور ہر مسلمان کے دل میں ٹھنڈک پیدا کر دی ہے۔ دنیا کے تمام سیاسی حلقوں میں ان شاء اللہ اس کا گہرا اثر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نئے دستوری دور کو پاکستان کے لیے فلاح و برکت کا دور بنائے اور اسلام کو اور مسلمانوں کو اس کے ذریعے سے سرخرو کرے۔"

اب ہم ذیل میں بعض ممالک اسلامیہ کا جائزہ لیتے ہیں، مقصد صرف سرسری جائزہ ہے۔ سیر حاصل تبصرہ کے لیے اس وقت گنجائش نہیں:۔

۱۔ مصر

اسلامی دستور کے مطالبے کی تاریخ

پاکستان کی دستوری مہم سے استفادہ کرنے میں جس ملک کو پیشروی حاصل ہے وہ مصر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حسن البنا شہید کی دعوت (جس کا آغاز ۱۹۲۸ء سے ہوا تھا) نے مصری قوم کے اندر اسلامی نظام کی زبردست خواہش پیدا کر دی تھی۔ مرحوم نے اپنی زندگی میں متعدد مضامین کے ذریعے شریعت اسلامی کے نفاذ کا مطالبہ اٹھایا تھا۔ مصر کا دستور اگرچہ اسلام کو سرکاری مذہب مانتا تھا، مگر صرف صفحۂ قرطاس کے دائرے میں رہ کر۔ عملی لحاظ سے پاشائے مصر کی بادشاہت نے اسلام کو یک قلم فارغ خطی دے رکھی تھی۔ اخوان المسلمون اور دوسرے اسلام پسند حلقے اسلامی نظام کی تشکیل اور دستور مصر کی اصلاح

وتجوید کے لیے سراپا اضطراب تو تھے۔ مگر موجودہ زمانے کے دساتیر کی طرح دستوری اصطلاحات، اور دستوری ترتیب اور دستوری مواد کی شکل میں ان کے سامنے کوئی ایسی معین دستاویز نہ تھی جسے بنیاد بنا کر اپنے مطالبے کی سمت مقرر کر لیتے۔ چنانچہ جب نومبر ۱۹۵۳ء میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کتاب (نحو الدستور الاسلامی) پہلی مرتبہ قاہرہ میں شائع ہوئی، جو مولانا موصوف کی مختلف دستوری تقریروں اور مضامین کے مجموعہ پر مشتمل تھی پبلشنگ کمیٹی نے کتاب کے مقدمے میں صاف اعتراف کیا کہ:۔

مصر اس وقت نہایت نازک مرحلے سے گزر رہا ہے۔ وہ استعمار کو یہاں سے حرف غلط کی طرح مٹا دینا چاہتا ہے اور مستقبل کے لیے ملک کی نئی بنیادیں استوار کرنے کی کوشش میں ہے۔ اسی کوشش کا ایک پہلو موجودہ دستور کی تجدید و ترمیم کا مطالبہ ہے۔ چنانچہ آج کل ملک کے اندر اسلامی حکومت کی ماہیت، مزاج اور ڈھانچے کے بارے میں جگہ جگہ بحثیں چھڑی ہوئی ہیں۔ اس لیے ہم بھی اس میں حصہ لیتے ہوئے "اسلامی دستور" کے موضوع پر یہ کتاب شائع کر کے ایک اہم ضرورت کو پورا کرنا چاہتے ہیں۔

صدائے بازگشت

جس طرح پاکستان میں "اسلامی دستور" چاہنے والے عنصر کی نمائندگی یہاں کی اسلامی تحریک نے کی ہے اسی طرح مصر میں اسلامی دستور کے محاذ پر "اخوان المسلمون" نے قیادت کے فرائض انجام دیئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی دستور کے مطالبہ کی زندگی اخوان کی زندگی کے ساتھ وابستہ رہی ہے۔ دسمبر ۱۹۴۸ء سے لے کر ۱۹۵۰ء کے نصف اول تک اخوان سخت آزمائش میں رہے۔ ان کی جماعت خلاف قانون رہی (یہ نقراشی پاشا اور عبدالہادی پاشا کا دورِ وزارت تھا)، ان کے مرشد عام شہید کر دیے گئے (فروری ۴۹ء)، ان کے لیڈر اور کارکن جیلوں میں بند رہے۔ اس دور میں اسلامی نظام اور اسلامی دستور کی آواز تقریباً

بند رہی۔ ادھر پاکستان میں اس عرصہ میں دستوری تحریک جنگل کی آگ کی طرح پھیل رہی تھی۔ اگست ۴۷ء سے مارچ ۴۹ء تک اسلامی نظام کا مطالبہ برپا رہا اور مملکت کے نصب العین کو آئینی طور پر متعین کرنے کی صدا بلند ہوتی رہی۔ مارچ ۴۹ء کو قرارداد مقاصد وجود میں آگئی۔ اور جب ستمبر ۵۰ء میں "دستوری سفارشات" کا پہلا خاکہ مجلس دستور ساز کی طرف سے پیش کیا گیا تو اس وقت اخوان رہا ہو چکے تھے اور نئے ولولوں اور امنگوں کے جلو میں حسن بن اسماعیل الہضیبی کے زیر قیادت جماعت کی توسیع میں منہمک تھے۔ عبدالقادر عودہ شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی زمانے میں جماعت میں داخل ہوئے۔ چنانچہ ۵۰ء کے نصف آخر سے لے کر جولائی ۵۲ء تک یعنی مصر کے فوجی انقلاب کی تاریخ تک اور پھر جولائی ۵۲ء سے فروری ۱۹۵۴ء تک یعنی اخوان کے دوبارہ خلاف قانون قرار دیے جانے تک تقریباً ساڑھے تین سال کا عرصہ گزرا ہے جس میں اخوان پاکستان کی تحریک اسلامی کی برپا کردہ دستوری مہم سے متعارف ہوئے۔ بلکہ اگست ۵۱ء کے بعد سے معاملہ تعارف و شناسائی سے تجاوز کر کے یگانگت و ہم نوائی کے مرحلہ میں داخل ہو گیا۔ جب کہ قاہرہ سے مولانا مودودی کا رسالہ "اسلام کا سیاسی نظریہ" پہلی مرتبہ مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کے تعارفی مقدمہ کے ساتھ (جس میں مولانا مرحوم نے مختصر طور پر اسلامی تحریک کی تاریخ بیان کی ہے) عربی میں شائع ہوا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے دوسرے رسالے شائع ہوتے رہے۔ مولانا مودودی کا دستوری خاکہ[1] المسلمون میں چار قسطوں میں شائع ہوا (ملاحظہ ہو المسلمون

---

[1] یہ وہ مضمون ہے جو اردو میں "دو دستوری خاکے" کے نام سے شائع ہوا تھا اسے محترم نعیم صدیقی صاحب نے علامہ اسد اور مولانا مودودی کے دستوری مضامین سے دفعات کی شکل میں مرتب کیا تھا۔ پہلے اکتوبر ۴۸ء میں چراغ راہ میں شائع ہوا تھا اور پھر اگست ۵۰ء میں مکتبہ چراغ راہ نے اسے پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا تھا۔ عربی میں بھی "المسلمون" میں بالاقساط شائع ہونے کے بعد اسے کتابی صورت میں چھاپا گیا۔

مارچ ،مئی ،جون ،جولائی ۵۲ء) لہٰذا خود مصری علماء اور ارباب فکر کے اندر بھی ایک تحریک پیدا ہوگئی اور جرائد و مجلّات میں اور کتابوں اور رسالوں کی صورت میں دستوری موضوع پر فکر انگیز بحثیں چھڑ گئیں۔ دو دستوری خاکوں کی آخری قسط جس مہینے (جولائی ۵۲ء) میں شائع ہوئی وہی مہینہ مصر کے اندر فوجی انقلاب کا پیغام لے کر آیا۔

شاہ فاروق کے استبداد کی بساط لپٹ گئی اور اقتدار کی زمام جنرل نجیب نے سنبھال لی۔ بادشاہت کے خاتمے سے ملک کے اندر اسلامی دستور کی خواہش مزید بڑھ گئی۔ اور پریس میں دستور کی تدوین و تجدید کا عام چرچا ہونے لگا۔ عرب علماء کے قلم سے نہایت نفیس مضامین منظر عام پر آئے۔ ان میں سے ایک مضمون ڈاکٹر عبداللہ العربی[1] کا تھا جس کا عنوان تھا: "اسلامی دستور"۔ یہ طویل مضمون المسلمون کی چار قسطوں میں شائع ہوا۔ (ملاحظہ ہو المسلمون: نومبر ۵۲ء، جنوری، مئی، اگست ۵۳ء) مضمون کے مقدمہ میں ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں:

---

[1] ڈاکٹر عبداللہ العربی مصر کی نہایت ممتاز شخصیت ہیں۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کے گریجویٹ ہیں وزارت داخلہ میں ڈائرکٹر جنرل رہ چکے ہیں۔ تقریباً ۲۵ سال سے مصری یونیورسٹیوں میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ازہر یونیورسٹی کے شریعت کے کالج میں بھی قانون کے پروفیسر رہ چکے ہیں۔ آج کل قاہرہ یونیورسٹی میں اقتصادیات کے پروفیسر اور اسلامی کانگرس قاہرہ کے قانونی اور مالی مشیر ہیں۔ ۱۹۲۲ء میں مصر کی وزارت قانون کی طرف سے آکسفورڈ یونیورسٹی کی موتمر نظام ہائے حکومت میں شرکت کے لیے جو وفد بھیجا گیا تھا اس کے ایک رکن بھی آپ تھے۔ لاہور میں منعقد ہونے والے کلوکیم میں بھی شریک ہوئے تھے۔ الفقہ القانونی (فلسفہ قانون) "فقہ الحدیث" الدیموقراطیہ (ڈیموکریسی) اور دستوری ڈھانچے" اور "اسلام کا اقتصادی نظام" موصوف کی مشہور تصانیف ہیں۔

"اسلامی دستور امت مسلمہ کے پاس چودہ صدیوں سے اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کے اندر موجود ہے، لیکن امت اس کو ترک کر چکی ہے جس کی وجہ سے وہ فقر و مسکنت میں مبتلا ہوگئی ہے۔ اب ہم مسلم اقوام کی نشاۂ ثانیہ کی فکر میں ہیں۔ اس لیے لازم ہے کہ "اسلامی دستور" کو بھی از سر نو زندہ کیا جائے۔ اس امر کا خیال میرے دل میں اس لمحہ سے گردش کر رہا ہے جب برادر محترم سعید رمضان نے اس موضوع پر مجھ سے گفتگو کی ہے اور اس پر لکھنے کی مجھے دعوت دی ہے۔"

ڈاکٹر عبداللہ العربی[1] نے اپنے مضمون میں اس بات پر زور دیا ہے کہ دستور ایسا ہونا چاہیے جو تمام اسلامی ممالک کے لیے موزوں ہو اور انہیں ایک وفاق کی لڑی میں منسلک کر دے۔ ڈاکٹر موصوف کی تجویز کے مطابق ایسے وفاقی یا بین الاسلامی دستور کے دو حصّے ہوں۔ ایک حصّہ ملک کے مقامی حالات کی کفایت کرتا ہو اور دوسرا بین الاسلامی ضروریات اور تقاضوں کے مطابق ہو۔ اتفاق کی بات ہے کہ ڈاکٹر موصوف کا یہ مضمون شائع ہونا شروع ہی ہوا تھا کہ ان کے ہاتھ پاکستانی دستوریہ کی "قرارداد مقاصد" کا ایک نسخہ لگ گیا۔ چنانچہ انہوں نے مضمون کی دوسری اور تیسری قسط میں "قرارداد مقاصد" کو بنائے بحث بنا لیا اور اس کی ایک ایک شق پر مفصل تبصرہ کیا۔ اور لفظ لفظ پر دستوریہ پاکستان کو داد و تحسین دی۔ موصوف ایک جگہ اپنے تاثر کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> "میں نے قرارداد مقاصد پر کافی غور و خوض کیا ہے اور بالآخر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ کسی مسلمان قوم کو اگر اسلامی دستور مدون کرنا ہو تو یہ قرارداد ایک بہترین بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔"

ڈاکٹر عبداللہ العربی قرارداد مقاصد کے ذیل کے الفاظ پر غیر معمولی متاثر ہوئے ہیں:

---

[1] ڈاکٹر عبداللہ العربی اب دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔

"چونکہ تمام کائنات کی بادشاہی صرف اللہ وحدہ لاشریک کے لیے ہے اور چونکہ وہ اقتدار ایک مقدس امانت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے باشندگان پاکستان کے ذریعہ سے ریاست پاکستان کو اس لیے سونپا ہے کہ وہ اس اقتدار کو اس کی مقرر کردہ حدوں کے اندر استعمال کرے ــــــ"

ڈاکٹر موصوف نے اپنے مضمون میں وضاحت سے بتایا ہے کہ اسلامی ریاست کا ڈھانچہ کیا ہوگا۔ اختیارات کی نوعیت اور حدود کیا ہوں گے۔ اقتصادی پالیسی کے خطوط کیا ہوں گے۔ غیر ممالک سے تعلقات کی بنیادیں کیا ہوں گی۔ ڈاکٹر موصوف نے اپنی تجویز کے مطابق دستور کی دو اسکیمیں پیش کی ہیں: ایک داخلی دستور کی اسکیم[۱] اور دوسری وفاقی (بین الاسلامی) دستور کی اسکیم۔ ان تمام بحثوں کو پڑھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی تہ میں عمیق مطالعہ اور نظام اسلامی کی سچی تڑپ کار فرما ہے۔ عراق کے ایک صاحب محمد منذر شاکر نے ایک دو مقام پر ڈاکٹر موصوف پر گرفت کی ہے۔ یہ گرفت بجائے خود مضبوط ہے یا بودی، اس سے یہاں بحث نہیں، البتہ یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اسلامی ممالک کا ذی شعور طبقہ دستوری مہم میں کسی نہ کسی پہلو سے حصہ دار رہا ہے۔

عہد نجیب میں دستور کمیٹی کی تشکیل

اب مصر میں دستوری مطالبے میں وسعت اور اہمیت پیدا ہوگئی اور انجام کار نومبر ۵۲ میں جنرل نجیب نے ایک فرمان کے ذریعے مصر کے رائج دستور کو کالعدم قرار دے دیا اور نئے دستور کی تدوین کا اعلان کر دیا۔ اور ساتھ ہی یہ تصریح بھی کر دی کہ تدوین دستور

---

[۱] موصوف کی بین الاسلامی دستور کی اسکیم دراصل اس جذبے پر مبنی تھی جو قیام پاکستان کے بعد عالم اسلام کو متحد کرنے کے لیے یکایک ابھر آیا تھا اور پاکستان کی قیادت میں ایک "جامعہ اسلامیہ" کے قیام کی تجویزیں ہونے لگی تھیں۔

سے قبل اس مسئلے پر ریفرنڈم کرایا جائے گا کہ دستور کی بنیادیں کس نظریہ پر استوار کی جائیں۔ دسمبر ۵۲ء میں لاء کمیشن میں "اخوان المسلمون" کے بھی چار آدمی شامل کر لیے گئے۔ اہل مصر کی نگاہیں اس کمیشن پر مرکوز ہوگئیں اور ہر طرف سے اس پر دباؤ ڈالا جانے لگا کہ دستور خالص اسلامی بنیادوں پر مرتب ہونا چاہیے۔ ملک کے اہل علم و بصیرت افراد نے بہر تقریب کمیشن کو اپنی ذمہ داری اور حقیقی فرض سے آگاہ کیا۔ انہی ایام میں اسلامی تاریخ کے مشہور سکالر ڈاکٹر ضیاالدین ریس کی معرکہ آراء کتاب "اسلام کے سیاسی نظریئے" شائع ہوئی۔ شیخ ابوزہرہ نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا: ــــــ یہ کتاب بروقت منصہ شہود پر آئی ہے۔ اس وقت ہم مصر کے آئندہ نظام حکومت کی اساسات مرتب کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ میں اس مناسبت سے یہ صاف کہوں گا کہ قوم کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے حال کو اپنے ماضی سے منسلک رکھے اور زمانہ حاضر کے اہل فکر جس مسئلہ پر غور و فکر کر رہے ہیں اس بارے میں وہ زمانہ ماضی کے رہنماؤں کی بھی رائے معلوم کریں۔" یہ مہم ڈیڑھ سال (۵۲ء کا نصف آخر اور ۵۳ء کا پل) تک پورے شباب پر رہی۔ اس عرصہ میں نہ صرف دستور کے موضوع پر وافر مواد منظر عام پر آیا، بلکہ اسلامی قانون کے مختلف پہلوؤں پر بڑا ٹھوس اور جامع لٹریچر میدان میں آگیا اور اس نوعیت کے لٹریچر کی اتنی مانگ بڑھ گئی کہ وہ لوگ بھی ان موضوعات پر لکھنے لگ گئے جن کا مقصد محض پیسہ کمانا تھا۔ خواہ اسلام کی مخالفت میں ملے یا اس کی تحسین سے۔

تعارف دستور میں ہمارے ارباب اختیار کا حصہ

پاکستان کے ارباب اختیار نے شروع شروع میں عرب ممالک کو اپنے ہاں کے زیر ترتیب دستور کا جو تعارف کرایا تھا وہ عربوں کے لیے ــــ اور بالخصوص اسلام پسند طبقے کے لیے ــــ بڑا حوصلہ افزا اور رشک آفریں تھا۔ عربوں کے اندر اس نے پاکستان کی اہمیت اور محبت کو دوبالا کر دیا تھا۔ مثلاً نومبر ۵۱ء میں بعض مصری پرچوں میں پاکستان کے نئے دستور

کے موضوع پر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کا ایک مضمون شائع ہوا۔ اس مضمون میں موصوف نے پاکستان کے دستوری مسائل پر روشنی ڈالی اور دستور کے اسلامی پہلوؤں کو اجاگر کیا۔ انہوں نے دین اور سیاست کی تفریق کے قائلین کی غلط فہمی کا ازالہ کیا۔ اور اسلام کو ایک ناقابل تقسیم جامع اور ہمہ گیر نظام کی حیثیت سے پیش کیا۔ آپ نے بتایا کہ:۔

"یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ ہمارا مذہب ایک ایسا لباس بن جائے جسے ہم اتوار کے روز عبادت گاہ کی طرف جاتے ہوئے پہن لیں اور جب واپس آکر دوسرے مشاغل میں مصروف ہوں تو اسے اتار کر رکھ دیں۔"

اسی طرح آپ نے اسلامی جہاد کی حقیقت واضح کی۔ اقلیتوں کے شبہات رفع کئے۔ مذہبی ڈکٹیٹر شپ کے خطرے کا جواب دیا۔ اسلامی حکومت اور مغربی تھیاکریسی کا فرق بتایا۔ الغرض یہ مضمون اپنے مندرجات کے لحاظ سے بڑا اہم تھا۔ اہل مصر نے جب پاکستان کے ایک ذمہ دار شخص سے یہ باتیں سنی ہوں گی تو بلاشبہ ان کے دل میں پاکستان کی حکومت کے بارے میں محبت کے جذبات اُمڈ آئے ہوں گے۔ اس نوعیت کا ایک اور مضمون ڈاکٹر قریشی کے قلم سے دسمبر ۵۲ء میں المسلمون میں شائع ہوا۔ اس مضمون کا عنوان تھا: "مذہب اور زندگی کا اتحاد" ——— اس مضمون میں بھی ڈاکٹر صاحب نے بڑی خوش اسلوبی سے اسلام کے محاسن، ایمان باللہ کے تقاضے اور مسلمانوں کے فرائض پر روشنی ڈالی۔ اسی طرح عبدالقیوم خاں صاحب ملک میں جیسی شہرت رکھتے تھے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے مگر جنوری ۵۳ء کے مصری رسالوں میں ان کی جب یہ اپیل شائع ہوئی کہ —— "اسلامی ممالک کو چاہیے کہ وہ اپنے دستور کو دین کے احکام کے مطابق بنائیں" —— تو مصریوں نے اسے اپنے دل کی آواز سمجھا۔

متضاد موقف

پاکستان کے ارباب اختیار عربوں کو جس زمانے میں اپنی اسلام پسندی کا اور پاکستانی دستور کے مبنی بر اسلام ہونے کا یقین دلا رہے تھے اس وقت پاکستان کے اندر سخت دستوری کشمکش برپا تھی۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب کا جب مذکورہ مضمون (نومبر ۵۱ء میں) شائع ہوا تھا تو یہ وہ زمانہ تھا جب دستور ساز اسمبلی قرار داد مقاصد کے ۱۸۔۱۹ ماہ بعد، سخت مطالبوں سے مجبور ہو کر اپنی پہلی —— دستوری سفارشات —— ستمبر ۵۰ء میں پیش کر چکی تھی۔ ان سفارشات کو ملک کے ہر طبقۂ خیال کے لوگ ٹھکرا چکے تھے اور اس کے بعد دسمبر ۵۲ء تک دستور ساز اسمبلی منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھی رہی، مگر ملک کے اندر ان دستوری سفارشات کے خلاف غیظ و غضب کا طوفان برپا تھا۔ ارباب اقتدار عوام کی آتش غیظ کو فرو کرنے کے بجائے ان کے ذہنوں میں انتشار اور پراگندگی پیدا کرنے کے لیے ہر گونہ ہتھکنڈے استعمال کر رہے تھے، اور یہی وہ زمانہ تھا جب مختلف الخیال علماء نے اسلامی مملکت کے بنیادی اصولوں کا ایک مجموعہ مرتب کر کے حکومت کو پیش کیا تھا۔ عرب ممالک میں پروپیگنڈے کے زور سے پیدا کیا ہوا بھرم زیادہ دیر تک نہ چل سکا۔ ختم نبوت کی تحریک میں حکومت کی غلط روش اور علماء کی گرفتاریوں کے وسیع سلسلے نے تمام عالم عرب کو یکایک سراسیمگی میں مبتلا کر دیا۔ چنانچہ جہاں پہلے عقیدت مندانہ جذبات موجود تھے وہاں اب یہ خبریں آنے لگیں کہ ختم نبوت کی تحریک کے سلسلے میں حکومت پاکستان نے جو موقف اختیار کر رکھا ہے وہ حد درجہ افسوسناک ہے۔ حکومت کو عقل کے ناخن لینے چاہئیں (المسلمون اپریل ۵۳ء)۔ الغرض حکومت پاکستان کی مذہبی ساکھ کا جو قصر اسلام پسندی کے کھوکھلے دعووں نے تعمیر کیا تھا وہ بہت جلد منہدم ہو گیا۔ اور رہی سہی کسر ظفر اللہ خاں نے پوری کر دی۔

دستوری مہم کے حقیقی اثرات

اخوان رہنماؤں اور دوسرے مصری مصنفوں کی تحریروں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کی دستوری مہم نے ان کے خیالات پر نمایاں اثر ڈالا اور بالآخر ان کے سامنے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو گئی کہ عہد حاضر میں کسی اصولی اور فکری نظام کو غالب کرنے کے لیے قوّت اور تشدد کے وہ وسائل بالکل غیر موزوں ہیں جو ماضی میں اختیار کیے جا سکتے تھے۔ اب تیر و تفنگ سے میدان فتح کرنے کے بجائے دلیل و برہان سے ذہنوں کو مغلوب کرنا چاہیے۔ فکری انقلاب کے بغیر کسی بھی دعوت کو فروغ نصیب نہیں ہو سکتا۔ یہ بات بھی ان پر واضح ہو گئی کہ جب تک ملک کا دستور صحیح اسلامی بنیادوں پر استوار نہیں کیا جاتا حکومت اور معاشرے کے مفاسد کا انسداد ممکن نہیں ہے۔ انسانی زندگی کے ساتھ دستور کا وہی تعلق ہے جو گاڑی کے ساتھ انجن کا ہے۔ انجن اپنے سفر کی جو سمت معین کرے گا گاڑی کے ڈبوں کو طوعاً و کرہاً اسی سمت کو چلنا ہوگا۔ دستور کی تبدیلی کے لیے ذہنوں کی تبدیلی لازمی ہے اور دور حاضر کا مشینی ذہن کسی اچھی سے اچھی بات کو اس وقت قبول نہیں کر سکتا جب تک ٹھوس اور محسوس دلائل سے اس پر واضح نہ کر دیا جائے کہ جس نظریئے کی اسے دعوت دی جا رہی ہے وہ انسان کو باسعادت زندگی سے بہرہ ور کرنے والا ہے۔ اور زندگی کے دوسرے نظریات اس کے مقابلے میں ایسے ہی غلط ہیں جیسے آگ سے برودت حاصل کرنے کا خیال غلط ہے۔ ہمارے اس تاثر کی تائید میں اخوان کے مرشد عام محترم حسن الھضیبی کی متعدد تحریریں اور دیگر اسلام دوست اہل قلم کے مضامین دیکھے جا سکتے ہیں۔ حسن الھضیبی اور عبدالقادر عودہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی جماعت کو اس تصور کے تحت از سر نو منظم کرنا چاہتے تھے، مگر حالات کی تیز و تند رو نے انہیں یہ موقع نہ دیا۔ فروری ۵۴ء میں "اخوان المسلمون" کو مصر میں خلاف قانون قرار دے دیا گیا۔ کچھ لوگوں کو تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا اور کچھ جیلوں

اور صحراؤں کی نذر کر دیئے گئے۔ گویا اسلامی نظام اور اسلامی دستور کی مہم بھی تختہ دار پر کھینچ دی گئی۔ اور اسلامی دستور کے بجائے کرنل ناصر صاحب کا مہیا کردہ دستور نافذ ہو گیا۔

۲۔ شام

اسلامی دستور

مصر میں جو علمی و فکری تحریک اٹھی ہے اس سے دوسرے عرب ممالک متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ شام کے حالات کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مصر کی دستوری تحریک کی صدائے بازگشت برابر شام میں بلند ہوتی رہی ہے۔ شام کو مصر کی نسبت اس لحاظ سے امتیاز حاصل تھا کہ جب مصر میں بادشاہت کا دور دورہ تھا شام میں اس وقت جمہوریت کا چمن لہلہا رہا تھا[1]۔ اس کا باقاعدہ ایک دستور بن چکا تھا جس

---

[1] اگرچہ شام متعدد بار ڈکٹیٹر شپ کا شکار ہوا ہے مگر وہ اسے کبھی راس نہیں آئی۔ وہ اسے ہمیشہ مکھی کی طرح اگل دیتا رہا ہے۔ مصر میں انضمام سے قبل شام "جمہوریہ سوریہ" تھا۔ انضمام کے بعد مصر کی طرح وہ کرنل ناصر کی آمریت کے شکنجے میں کس دیا گیا۔ مگر شام کی جمہوریت پسندی نے اکتوبر ۶۲ کو یہ جوا بھی گردن سے اتار پھینکا۔

نوٹ:۔ ۱۹۶۳ء میں شام پھر ایک آمرانہ نظام کا نشانہ بن گیا اور اس وقت سے لے کر اب تک شام ایک ایسے گروہ کے شکنجے میں ہے جو سیاسی لحاظ سے بعث ازم کا علم بردار ہے اور اشتراکیت، قومیت اور لادینیت کے اصولوں پر ایمان رکھتا ہے۔ اور مذہبی لحاظ سے وہ نصیریہ فرقے سے تعلق رکھتا ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ شریعت محمدی منسوخ ہو چکی ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہٗ الوہیت کے مرتبے پر فائز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ فرقہ سُنّی مسلمانوں کا انتہائی دشمن ہے۔

میں شریعت اسلامی کو قانون سازی کا ماخذ تسلیم کیا گیا تھا، مگر اسلامی نظام کے حامیوں، سوشلسٹوں اور نیشنلسٹوں میں سخت کشمکش جاری تھی جس کی وجہ سے دستور کے اسلامی مزاج کو اجاگر ہونے کا موقع حاصل نہیں ہو رہا تھا۔ مصر کی اسلامی نظام کی تحریک اور پاکستان کی دستوری تحریک سے شام کے اسلام پسند عناصر کا جو فکری اور نظریاتی لگاؤ تھا اس کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ مصر میں ۵۴ء کے اواخر میں جب اخوان المسلمون پر دور ابتلا آیا اور ان پر جور و ستم کی یکایک قیامت ٹوٹ پڑی تو شام میں اس کا انتہائی شدید ردعمل ہوا۔ اسی طرح پاکستان میں مارچ ۵۳ء سے مئی ۵۵ء تک اسلامی تحریک کے علمبرداروں اور اسلامی دستور کا مطالبہ کرنے والوں پر جو ناروا مظالم توڑے گئے شام کا اسلام پسند عنصر ان پر جس غیر معمولی طور پر برافروختہ ہوا وہ خود پاکستان کی برافروختگی سے کم نہیں تھا۔ مولانا مودودی کے تینوں بیانات۔ جو مولانا موصوف نے تحقیقاتی عدالت میں پیش کئے تھے شام میں عربی میں شائع ہوئے۔ "قادیانی مسئلہ" کا پہلا ایڈیشن شام ہی کے ایک ماہوار رسالے "التمدن الاسلامی" میں شائع ہوا۔ دونوں چیزیں بڑی رغبت کے ساتھ پڑھی گئیں چنانچہ مارچ ۵۵ء کے المسلمون میں جو ان دنوں قاہرہ سے ہجرت کر کے دمشق میں پناہ گزیں ہو چکا تھا، پاکستان کے حالات پر ایک مفصل تبصرہ شائع ہوا۔ جس میں تبصرہ نگار نے پاکستان کی دستوری مہم کا جائزہ لیتے ہوئے پاکستان کی تمام سیاسی پارٹیوں کا تجزیہ کیا اور دستوری مہم کے بارے میں ہر ایک کا موقف واضح کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب گورنر جنرل بہادر دستور ساز اسمبلی کو توڑ چکے تھے اور دسمبر ۵۲ء کی دستوری سفارشات کو کالعدم قرار دے چکے تھے۔ اس کے جواب میں صدر دستوریہ مولوی تمیز الدین صاحب سندھ چیف کورٹ میں مقدمہ دائر کئے ہوئے تھے۔

جولائی ۵۵ء کے المسلمون میں پھر ایک مضمون شائع ہوا جس میں پاکستان کے حکمرانوں سے سخت بیزاری کا اظہار کیا گیا اور ایسے مردان کار کی ضرورت ظاہر کی گئی جو ملک

کا نظام عوام کی امنگوں کے مطابق چلا سکیں۔

شام کے دستور میں اگرچہ شریعت اسلامی کو ماخذ قانون قرار دیا گیا تھا مگر اس مجمل سی دفعہ کے سوا اسلامی نقطۂ نظر سے متعدد دستوری مسائل تشنۂ بحث تھے۔ چنانچہ وہاں کے اسلام پسند عناصر کے سامنے بیک وقت تین طرح کے کام تھے۔ ایک تشنۂ بحث دستوری پہلوؤں کی توضیح، دوسرے اسلامی قانون کے مختلف گوشوں پر تحقیقی کام اور تیسرے ان دونوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مؤثر جدوجہد۔ اول الذکر پہلو پر مختلف افراد کی مساعی منظر عام پر آئیں۔ ان میں سے ایک کوشش شام یونیورسٹی کے ایک پروفیسر احمد الزین کی ہے۔ پروفیسر موصوف نے "دو دستوری خاکے" اور مولانا مودودی کے دیگر دستوری مضامین کے عربی مجموعہ سے ایک خاکہ مرتب کیا اور یونیورسٹی کو پیش کیا۔ اور پھر مولانا محترم کی اجازت سے اسے جون ۵۷ء میں کتابی صورت میں شائع کیا۔ اس سے قبل مولانا ظفر احمد انصاری کا معرکۃ الآرا مقالہ "المسلمون" (شامی ایڈیشن) میں بالاقساط چھپ چکا تھا جو "ہمارے دستوری مسائل کا نظریاتی پہلو" کے عنوان سے پاکستان میں انگریزی اور اردو میں بہت بڑی تعداد میں پھیل چکا تھا۔ علاوہ بریں شام کا ہفت روزہ اخبار "الشہاب" پاکستان کی دستوری مہم کی وقتاً فوقتاً روداد شائع کر کے شامی عوام کو اس سے آگاہ کرتا رہتا تھا۔

ایک دلچسپ بحث

ایک موقع پر شام کے اہل علم کے درمیان دستور کے موضوع پر نہایت دلچسپ بحث چھڑ گئی۔ حلب کے ایک عالم محمد ابو شافع نے یہ اعتراض اٹھایا کہ اسلامی دستور اور اسلامی نظام کی تشریح میں مسلمان مفکرین بعض ایسی اصطلاحات استعمال کر رہے ہیں جو اسلامی مزاج کے منافی ہیں اور ان سے اسلام کا اصل مفہوم واضح ہونے کے بجائے مبہم اور غبار آلود ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال انہوں نے یہ دی کہ اسلامی ریاست کو "دولۃ اللہ"

(الٰہی ریاست) کہنا صحیح نہیں ہے۔ اسلامی ریاست "بشری ریاست" ہے۔ اس ضمن میں شیخ محمد ابو شافع نے مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم پر بھی گرفت کی۔ مولانا مرحوم نے پاکستان کی دستوریہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا: — اسلامی حکومت انسانی حکومت نہیں، بلکہ اللہ کی طرف سے نیابتی حکومت ہوتی ہے۔" — شیخ ابو شافع نے اس خیال کو قابل اعتراض قرار دیا۔ اسی طرح مولانا مودودیؒ نے "اسلام کا نظریۂ سیاسی" میں "جمہوری الٰہی حکومت" کی جو اصطلاح تجویز کی ہے۔ شیخ موصوف نے اسے بھی غلط ٹھہرایا۔ شیخ ابو شافع نے اس امر پر بھی حیرت کا اظہار کیا کہ ہندو پاک اور شرقِ اوسط کے تعلقات بڑھ جانے کی وجہ سے عرب علماء بھی ہندو پاک کے علماء کے خیالات سے متاثر ہوئے ہیں۔ اس کی دلیل انہوں نے یہ دی کہ عبد القادر عودہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب — "اسلام اور ہمارا سیاسی نظام" — میں اسلامی ریاست کے صدر کو "خلیفۃ اللہ" کہنا اقرب الی الصواب لکھا ہے۔ عودہ مرحوم کی یہ رائے مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم اور مولانا مودودی کی اتباع پر مبنی ہے اور درست نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو جب خلیفۃ اللہ کہا گیا تو آپ نے منع فرما دیا۔ شیخ محمد ابو شافع کے اعتراضات اگرچہ زیادہ وزنی نہیں تھے اور ان میں سے بعض غلط فہمی پر بھی مبنی تھے تاہم المسلمون کے ایڈیٹر نے ان اعتراضات کا مفصل جواب دیا۔ اور مولانا مودودی اور عبد القادر عودہ کی کتابوں سے اقتباسات نقل کر کے مذکورہ اصطلاحات کے متعلق ان حضرات کا اصل منشا واضح کیا۔ یہ نقد اور جواب علی النقد دونوں خاصے طویل اور دلچسپ تھے (المسلمون بابت اگست و ستمبر ۵۶ء)

دستوری مضامین کا ظہور

پاکستان کی دستوری مہم جب چوتھے مرحلے میں داخل تھی۔ (چوتھے مرحلے سے میری مراد وہ زمانہ ہے جب اکتوبر ۵۴ء کے دستوری بحران اور رسواکن مقدمہ بازی کے بعد

بعد آخر کار ایک نئی دستوریہ کا انتخاب ہوا تھا اور اس نے خدا خدا کر کے ۲۳ مارچ ۵۶ء کو ایک دستور منظور کیا اور دنیا میں پاکستان کو جمہوریہ اسلامیہ کے نام سے متعارف کرایا)۔ اس وقت شام میں دستور اور قانون کے موضوع پر بڑی زندگی بخش اور علم افزا بحثیں چھڑی ہوئی تھیں۔ اور ہر شخص اپنا اپنا نقطۂ نگاہ پیش کر رہا تھا۔ مجموعی طور پر میدان اسلام پسند عناصر کے ہاتھ میں تھا۔ ماہرین دستور و قانون کے قلم سے بیش قیمت مضامین منظر عام پر آ رہے تھے اور وہ داد و تحسین وصول کر رہے تھے۔ انہی مضامین میں بغداد کے ایک با اثر جلیل القدر ایڈووکیٹ عبد الرحمٰن خضر جواب مرحوم ہو چکے ہیں کا ایک مضمون بھی ہے جو "ریاست کی حیثیت اسلامی نقطۂ نظر سے" کے عنوان سے اپریل ۵۰ء میں المسلمون میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں موصوف نے پہلے اسلامی ریاست کے اجزاء بیان کئے۔ پھر دنیا کی مختلف ریاستوں کی قسمیں بیان کیں۔ مثلاً مسیحی ریاستیں۔ لادینی ریاستیں۔ بُدھ ریاستیں اور ہندو ریاستیں۔ اس کے بعد فقہائے اسلام نے ریاستوں کی جو تقسیم کی ہے ان پر گفتگو کی۔ مثلاً دار الاسلام، دار الکفر اور دار المعاہدہ — اس سلسلے میں مختلف ائمہ کی آرا نقل کیں۔ مثلاً بتایا کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کی رائے میں دار الکفر کی تعریف یہ ہے کہ جہاں کفر کے قوانین کا غلبہ ہوگا وہ دار الکفر ہوگا۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دار الاسلام میں اگر ذیل کی صورتیں پیدا ہو جائیں تو وہ دار الکفر میں تبدیل ہو جائے گا:

۱ — احکام کفر کا غلبہ ہو جائے۔

۲ — دار الحرب کے ساتھ اس کا بھائی چارہ ہو جائے۔

اس کے بعد موصوف نے ریاست کے مسلمان ہونے پر کلام کرتے ہوئے فرمایا:

"جب کوئی ریاست اس امر کا اقرار کرے کہ اس کا مذہب اسلام ہے تو وہ ریاست مسلمان کہلائے گی۔ خواہ وہ اسلامی قوانین کی خلاف ورزی کر رہی ہو۔ ایسی صورت میں وہ فاسق ہوگی، کافرہ نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر وہ ایسے قوانین جاری کرے۔ جن سے اسلامی

حدود پامال ہوتے ہوں تو اگر اسے اپنی اس غیر اسلامی روش کا اعتراف ہو تب اس کی حیثیت ایسی ہی ہوگی جیسے ایک شراب نوش مسلمان کی ہوتی ہے، لیکن اگر وہ یہ کہے کہ شراب حرام ہی نہیں ہے یا وہ حدود اللہ کو اس بنیاد پر ساقط کر دے کہ دریں زمانہ وہ ناقابل عمل ہیں تو پھر بلاشبہ وہ ریاست کافر اور مرتد ہوگی۔"

لادینیت کی تاریخ

عبدالرحمٰن خضر مرحوم نے اپنے مضمون میں لکھ دیا تھا کہ "لادینیت" کی اصطلاح سب سے پہلے فرانس نے ۱۷۸۹ء میں اختیار کی اور فرانس کو لادین جمہوریہ کا نام دیا۔ اس کے بعد مصطفیٰ کمال نے فرانس کی تقلید میں ترکی کو "لادینی ترکیہ" قرار دیا اس پر دمشق کے ایک اور ماہر قانون ڈاکٹر سیف الدین بستانی نے تعقیب کی اور "لادینیت" کی تاریخ پیدائش پر روشنی ڈالی۔ ڈاکٹر بستانی کی تحقیق یہ ہے:۔

"لادینی (لائیک) کی اصطلاح نہ فرانسیسی ہے اور نہ ترکی، بلکہ اس کا موجد یہودیوں کا بین الاقوامی ادارہ "فری میسن" ہے۔ ۱۷۶۶ء کے "فری میسن بلیٹن" میں جو ترکی فرانس برانچ کی طرف سے شائع ہوا تھا یہ درج ہے: "نوخیز نسل کی تربیت ہمارے پروگرام کا اہم حصّہ ہے۔ اس پروگرام کی رو سے ہمیں مدارس کے اندر ہر قسم کی مذہبی تعلیم کو خارج کرانے کی سعی کرنی چاہیے اور اس کی بجائے لادینی (لائیک) مدارس کے قیام پر زور دینا چاہیے۔" ——— (المسلمون: اگست ۵۶ء)

ڈاکٹر موصوف نے اپنی رائے کی تائید میں اور بھی بے شمار تاریخی شواہد پیش کیے جن کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

مصری دستور پر شامی عُلماء کے تبصرے

اتفاق سے اسی زمانے (جنوری ۵۶ء) میں مصر میں ناصر صاحب کا "عوامی دستور" وجود میں آیا۔ جس کا نفاذ جون ۵۶ء میں ہوا۔ مصر میں تو اس وقت انقلابی کونسل کا دیو استبداد ناچ رہا تھا اس لیے وہاں (ہفتہ وار "منبر الشرق" کی مدھم سی آواز کے سوا) کوئی زبان ایسی نہ تھی، جو دستور کی "عوامیت" کو طشت از بام کرتی، مگر شام کے پریس نے اس دستور کے خوب لتے لیے۔[۱] اور ناصر صاحب نے دستور کے نام پر جو فراڈ رچایا تھا اس کا بھانڈا پوری دنیا میں پھوڑ کر رکھ دیا سب سے زوردار تنقید ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی تھی۔ دمشق کا نیشنلسٹ پرچہ "الحضارۃ" بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ "مصر کا نیا دستور فی الواقع آمریت کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لیے مرتب کیا گیا ہے۔" ہمیں خوشی اس بات کی ہے کہ پاکستان کے اہل علم نے دستور کی جمہوری اور اسلامی روح کا جو تصور عوام کے ذہنوں میں پیدا کیا ہے شام کے اہلِ علم کے تبصروں میں بھی بعینہ وہی تصور اور وہی اسلوب پایا جاتا ہے، بلکہ بعض تبصرے تو ایسے نظر سے گزرے ہیں کہ انہیں پڑھ کر یہ وہم ہوتا تھا کہ یہ مصری دستور پر شامی عالم کا تبصرہ ہے یا پاکستانی دستوریہ کی ۵۰ء کی سفارشات پر پاکستانی پریس کا تبصرہ ہے۔ یعنی وہی اسلام سے گریز پر اظہار افسوس۔ شہری آزادیوں کا گلا گھوٹنے پر احتجاج۔ عدلیہ کو انتظامیہ کا دست نگر بنا دینے کا انکشاف۔ صدر کے غیر محدود اختیارات اور ملکی قانون سے اس کی بالاتری پر اعتراض۔ جمہورت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دینے کی نشان دہی اور اس کے باوجود اہل مصر کو یہ مشورہ کہ وہ صبر و تحمل کے ساتھ آئینی حدود میں حالات کو تبدیل کرنے پر کمربستہ رہیں۔ ایک نہ ایک وقت یہ آمریت کی شب تاریک رخصت ہوگی اور جمہوریت کی صبح دلنواز کا نقارہ بجے گا۔

---

۱ ——— اس وقت تک شام و مصر کا الحاق نہیں ہوا تھا۔

۳۔ سعودی عرب

موجودہ حالات

سعودی عرب کا ملکی قانون اسلامی شریعت ہے۔ اس کی تمام دیوانی اور فوجداری عدالتیں قانون شریعت کی روشنی میں فیصلے کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور میں سب سے کم جرائم جس ملک میں ہوتے ہیں وہ سعودی عرب ہے۔ حکومت کے دوسرے بھی متعدد ادارے اسلامی شریعت کے تحت کام کر رہے ہیں۔ اب کچھ عرصے سے بتقاضائے حالات وہاں کے حکمران مملکت کو ایک دستوری نظام میں ڈھالنے کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔ سعودی مملکت کے فرماں روا سعود بن عبد العزیز آل سعود اور ولی عہد اور وزیر اعظم امیر فیصل بن عبد العزیز متواتر یہ اعلان کر رہے ہیں کہ سعودی مملکت کتاب اللہ اور سنّت رسول کی علمبردار ہے۔ اس کا نظام اور قانون ان دونوں سرچشموں کے ماسوا کسی تیسری چیز کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے[۱]۔

دستور ساز کمیٹی کی تشکیل

۶۲ء کے اوائل میں ایک دستور ساز کمیٹی کی تشکیل کر دی گئی ہے۔ سعودی عرب

---

[۱] مضمون کے آغاز میں ہم شاہ سعود کا وہ برقیہ نقل کر چکے ہیں جو انھوں نے مارچ ۵۶ء میں پاکستان کا دستور بننے کے موقع پر سکندر مرزا کے نام بھیجا تھا۔ اس موقع پر پھر ایک مرتبہ اس برقیے پر ایک نگاہ ڈال لی جائے۔

کا پریس اور اہلِ علم و فہم حلقے دستوری مسائل پر روشنی ڈال رہے ہیں۔ انسان کے بنیادی حقوق، اسلامی حکومت کے امراء اور رعایا کے حقوق اور اسلامی حکومت کے فرائض و واجبات اور اس نوعیت کی دیگر دستوری بحثیں آج کل ہر محفل میں گردش کر رہی ہیں۔ پاکستان کی اسلامی دستور کی تحریک کے موسس و قائد تحریری طور پر سعودی حکمرانوں کو اسلامی دستور کی تدوین و نفاذ کی دعوت دے چکے ہیں۔ رابطہ عالم اسلامی کے اغراض و مقاصد میں یہ شامل ہے کہ وہ مسلمان حکومتوں کو اسلامی نظام کے قیام کی طرف توجہ دلائے گی۔

ایک تحفہ

مولانا سیّد ابو الاعلیٰ مودودیؒ کے وہ تمام دستوری مضامین جو دستوری تحریک کے مختلف مراحل میں موصوف کے قلم سے منصہ ظہور پر آئے ہیں سعودی عرب کے کثیر الاشاعت روزنامہ "الندوہ" میں ۱۲ قسطوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ اجتہاد اور قانون سازی کی حدود کے موضوع پر بھی ایک مضمون اسی پرچے میں چھپ چکا ہے۔ سعودی عرب کے اہل علم نے ان مضامین کا پرجوش خیر مقدم کیا ہے۔ اور ان کو نہایت مفید اور حالات کے عین مطابق قرار دیا ہے۔ بظاہر سعودی عرب کے حالات میں ایک اچھے دستوری نظام کے نفاذ کے لیے کوئی رکاوٹ نظر نہیں آتی لیکن دستوری نظام بہر حال شہری آزادیوں کا تقاضا کرتا ہے اور فرماں روا کی مطلق العنانی کو ختم کرتا ہے۔ اس لیے کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ سعودی عرب کی بادشاہت اپنے اختیارات کی زکوٰۃ نکالنے پر تیار ہو سکے گی یا نہیں۔

۴۔ انڈونیشیا

مطالعۂ دستور کی تاریخ

تسلط جاپان کے زمانے میں انڈونیشیا کی تمام اسلامی جمعیتوں نے مل کر

ماشومی[1] کے نام سے ایک محاذ قائم کیا تھا۔ انڈونیشیا کی آزادی کے بعد اس میں مزید جماعتیں شامل ہوگئیں۔ دسمبر ۱۹۴۹ء میں جوکجاکرتا میں ایک بہت بڑی اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں تقریباً مختلف جماعتوں کے سات سو نمائندے شریک ہوئے۔ اس کانفرنس میں ماشومی پارٹی کا نصب العین اور طریق کار طے کیا گیا۔ اور مختلف امور کے لیے ذیلی کمیٹیاں بنائی گئیں جن میں ایک کمیٹی اسلامی دستور کی تدوین کے لیے تھی۔ ماشومی پارٹی چونکہ انڈونیشیا کی سب سے بااثر اور فعال پارٹی تھی اس لیے اس کی طرف سے اسلامی دستور کی ضرورت کا اظہار گویا یہ معنی رکھتا تھا کہ انڈونیشیا مستقبل میں اسلامی ریاست کی شکل اختیار کرے گا۔ اس لحاظ سے پاکستان میں مطالبہ نظام اسلامی اور انڈونیشیا میں مطالبہ دستور اسلامی دونوں کا سن پیدائش تقریباً ایک ہی ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد ماشومی پارٹی کے قائد ڈاکٹر محمد ناصر اور ان کے دوسرے رفقاء عالم اسلامی کے دورے پر نکلے تاکہ مختلف ممالک کے حالات کا مطالعہ کرکے اور دین و شریعت کے ماہرین سے مل کر اسلامی دستور کی تدوین میں مدد حاصل کریں۔ اس زمانے میں پاکستان کی تحریک اسلامی کا لٹریچر بھی وہاں پہنچنا شروع ہوگیا تھا۔ مارچ ۵۲ء میں کراچی میں جب موتمر عالم اسلامی منعقد ہوئی تو اس تقریب سے ماشومی پارٹی کے ذمہ دار حضرات پاکستان کی اسلامی تحریک اور مطالبۂ نظام اسلامی اور مہم دستور اسلامی سے کافی حد تک متعارف ہوئے۔ اپریل ۵۳ء میں جب یہاں خواجہ ناظم الدین کی وزارت کو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۳۵ء کی رو سے برخاست کر دیا گیا تھا اور اصل دستور کی تدوین کے بجائے ایک عبوری دستور نافذ کرنے کے مشورے ہو رہے تھے، عین اس مہینے انڈونیشیا میں "میدان" نامی مقام پر ایک بہت بڑی اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں پاکستان اور دوسرے

---

[1] (ے)، یہ لفظ "مجلس شوریٰ مسلمین" کا مخفف ہے۔

اسلامی ممالک کے حالات کا جائزہ لیا گیا اور ایک قرارداد کے ذریعے "اسلامک کامن ویلتھ" کی تشکیل کی تجویز پیش کی گئی۔ قرارداد کی تشریح میں بتایا گیا کہ "چونکہ اس وقت تمام اسلامی ممالک میں اسلامی شریعت کے نفاذ کی شدید رغبت کا اظہار کیا جا رہا ہے اس لیے ایک ایسے ادارے کی سخت ضرورت محسوس کی جا رہی ہے جس کے تعاون سے اس رغبت کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا جاسکے۔"

انڈونیشیا میں جماعت اسلامی کے اثرات

لاہور میں منعقد ہونے والے کلوکیم (۲۹ دسمبر ۵۷ء تا ۸ جنوری ۵۸ء) میں انڈونیشیا کے جو مندوب شریک ہوئے تھے ان میں سے تین ماشومی پارٹی سے تعلق رکھتے تھے۔ حسبی الصدیقی، خواجہ عبدالمالک امر اللہ اور ڈاکٹر عبدالقہار مذکر۔ یہ تینوں حضرات عربی زبان کے بہت اچھے عالم ہیں۔ بلکہ موخر الذکر تو عربی کے نامور ادیب ہیں۔ اتفاق سے یہ تینوں حضرات انڈونیشیا کی مجلس دستور ساز کے ممبر تھے۔ حسبی الصدیقی نے ایک ملاقات میں بتایا کہ دستوریہ کے جو ارکان اسلامی دستور کا نفاذ چاہتے ہیں انہوں نے دستور کے مسئلے پر سب سے زیادہ جس کتاب سے استفادہ کیا ہے وہ مولانا مودودی کی کتاب "نحو الدستور الاسلامی" (دستوری مضامین کا عربی مجموعہ) ہے۔ عبدالقہار مذکر کے بیان کے مطابق اسمبلی میں جب دستوری بحثیں ہوتی تھیں تو مولانا مودودی کے مضامین کو سند کے طور پر پیش کیا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ بحث کے دوران میں ڈاکٹر ناصر صدر ماشومی نے اسلامی ریاست کا تعارف کراتے ہوئے صدر دستوریہ مسٹر ویلوبو کو توجہ دلائی کہ اسلامی ریاست کے حقیقی مفہوم کو ادا کرنے کے لیے میری نگاہ میں سب سے عمدہ اصطلاح وہ ہے جسے پاکستان کے ماہر دستور اسلامی مولانا مودودیؒ نے تجویز کیا ہے اور وہ ہے "الٰہی جمہوری حکومت"۔

انڈونیشیا میں پچھلے تین چار سال سے جس بحرانی کیفیت اور خانہ جنگی کا دور دورہ

ہے اس کا اصل سبب یہی دستوری جھگڑا ہے۔ ملک کی غالب اکثریت اسلامی دستور کا تقاضا کررہی ہے۔ مگر سوکار نو صاحب اپنی گائیڈڈ ڈیموکریسی[1] سے سرِ مو نہیں ہٹنا چاہتے۔ اور اسی نشے میں برابر کمیونسٹوں کا آلۂ کار بنتے جارہے ہیں۔ ۵۶ء کے اواخر میں انڈونیشیا میں جو انتخابات ہوئے تھے ان میں ماشومی پارٹی اور نہضۃ العلماء اور نیشنلسٹ پارٹی (جو بہر حال کمیونسٹوں کی مخالف تھی) کے ڈھلمل موقف نے سوکارنو کو اپنے ہاتھ مضبوط کرنے کا موقع فراہم کر دیا اور بالآخر موصوف نے متعدد ایسے اقدامات کئے جن کے نتیجے میں ایک طرف ملک کے اندر بغاوت پھیل گئی اور دوسری طرف جمہوریت کے بجائے آمریت اور اسلام کے بجائے کمیونزم کی راہیں ہموار ہوگئیں۔

انڈونیشیا میں پائے جانے والے تین دستوری نظریئے

انڈونیشیا کی سابق دستوریہ کی جو کارروائیاں ہمارے سامنے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ دستور کے مسئلے پر موافق و مخالف دونوں فریقوں کی طرف سے دلائل و براہین کا جو سرمایہ میدان جنگ میں لایا گیا ہے وہ نظریاتی حیثیت سے پاکستان کے دستوری مناقشات کا چربہ معلوم ہوتا ہے۔ مجلس دستور ساز میں اسلامی محاذ کی نمائندگی کرنے والے ماشومی پارٹی کے لیڈر ڈاکٹر ناصر تھے۔ ان کے مقابلے میں دو محاذ تھے ایک پنج شیلا[2] کے علمبرداروں کا جس

---

[1] ڈکٹیٹر شپ جب اپنے اصل لبادے میں نہ آنا چاہے تو اس کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے لیے ایسی اصطلاحیں وضع کرے جو جمہوریت کے نام سے عوام کی آنکھوں میں دھول جھونک سکیں مثلاً "محدود جمہوریت" "رہنمائی یافتہ جمہوریت" اور "قابلِ فہم جمہوریت" علامہ اقبال نے اسی ذہنیت کی عکاسی کرتے ہوئے کہا ہے:۔

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

[2] پنج شیلا انڈونیشیا کے لادین عنصر کا ایک نیا اختراع کردہ دین ہے۔ انڈونیشیا کا عارضی دستور پنج شیلا پر مبنی ہے۔

میں زیادہ تر کمیونسٹ عنصر شامل تھا۔ اس محاذ کی پشت پناہی سوکارنو کر رہے تھے۔ اور دوسرا محاذ وہ تھا جو اصولی طور پر کمیونسٹوں کا مخالف تھا مگر اسلامی دستور کے حق میں بھی نہ تھا۔ یہ محاذ "اکنامک سوشلزم" کا داعی تھا اور قوم پرست عناصر پر مشتمل تھا۔ دستور ساز اسمبلی کی طرف سے ایک ذیلی دستور کمیشن بنایا گیا تھا جس کا کام یہ تھا کہ وہ ملک کا دورہ کرکے ملک کے اندر پائے جانے والے تمام دستوری نظریات کا جائزہ لے اور اسے رپورٹ کی شکل میں مجلس دستور ساز کے سامنے پیش کرے، تاکہ مجلس دستور ساز اس رپورٹ کی روشنی میں ملک کا نیا مستقل دستور مدون کرے۔ دستور کمیشن نے ملک کی سیاسی جماعتوں، اداروں اور اہم شخصیتوں سے رابطہ قائم کیا۔ ان کے نظریات کو معلوم کیا اور بالآخر اپنی رپورٹ میں معین طور پر بتایا کہ اس وقت ملک میں دستوری بنیادوں کے بارے میں صرف تین نظریات پائے جاتے ہیں۔ اسلام ——— اکنامک سوشلزم اور پنج شیلا۔ مجلس دستور ساز میں اس رپورٹ پر جو بحث و مباحثہ ہوا ہے اور مختلف محاذوں سے جو تقریریں کی گئی ہیں وہ انڈونیشیا کے اندرونی حالات کو سمجھنے کے لیے بہت مدد دیتی ہیں۔

ڈاکٹر ناصر کی دستوری تقریر

اسلامی محاذ کی طرف سے ڈاکٹر ناصر کی طویل ترین تقریر اپنے مواد، جامعیت۔ اور دلائل و تجزیہ کے لحاظ سے دستوری موضوع کی ان نادر تقریروں میں سے ہے جو تاریخ کے اوراق پر اپنا نقش دوام ثبت کر جاتی ہیں۔ ڈاکٹر ناصر نے اپنی تقریر میں نہ صرف پنج شیلا اور سوشلزم کی حقیقت کو پوری طرح بے نقاب کیا ہے، بلکہ اسلام اور اسلامی نظام کی اہمیت و ضرورت کو ٹھوس دلائل سے ثابت کرکے اسلامی دستور چاہنے والوں کی نمائندگی کا حق ادا کر دیا ہے۔ اور مخالفین پر اتمام حجت کرکے انہیں اس موقف پر کھڑا کیا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لیهلک من هلک عن بینۃ و یحییٰ من حیّ عن بینۃ۔

جسے ہلاک ہونا ہے دلیل و ثبوت سے ہلاک ہو اور جسے جینا ہے بصیرت کے ساتھ جیئے۔

ڈاکٹر ناصر کی تقریر کو بے اثر بنانے کے لیے ان کے مخالفین نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، مگر ڈاکٹر موصوف نے بڑے صبر اور اطمینان کے ساتھ کلمۂ حق پہنچایا۔ اسمبلی کا یہ آخری اجلاس تھا۔ اس کے بعد انڈونیشیا کی داخلی سیاست سدھرنے کے بجائے مزید بگڑتی گئی اور اب خانہ جنگی تک نوبت آگئی ہے۔ تمام پارٹیاں خلاف قانون ہیں۔ ایک شخص کی ہٹ دھرمی نے پورے ملک کی اینٹ سے اینٹ بجادی ہے۔[1]

۵ — سُوڈان

دستوری مہم کی ابتداء

جب پاکستان کی دوسری دستوریہ کے آخری اجلاس (اواخر ۵۵ء میں) ہو رہے تھے اور دس سال کے جھگڑے کے بعد دستور کی بُری بھلی شکل نظر آنے کی اطلاعات مل رہی تھیں انھی ایام (یعنی یکم جنوری ۵۶ء) میں سوڈان کی خود مختاری کا اعلان ہوا۔ اعلان آزادی کے ساتھ ہی سوڈان پارلیمنٹ نے یہ فیصلہ بھی صادر کر دیا کہ سردست عارضی طور پر ایک دستور نافذ کر دیا جائے گا۔ مستقل دستور اس وقت وضع کیا جائے گا جب عام انتخابات کے ذریعے نئی اسمبلی کی تشکیل ہوگی۔ دو سال کی اندرونی رسّہ کشی کے بعد مارچ ۵۸ء کو دستور ساز اسمبلی

---

[1] ڈاکٹر محمد ناصر کی تقریر "دین یا لادینیت" کے نام سے اردو میں چھپ چکی ہے۔ اسے مصنف کی مرتب کتاب "نظام اسلامی مشاہیر کی نظر میں" دیکھا جا سکتا ہے۔

کے انتخابات منعقد ہوئے۔ آزادی سے لے کر انتخابات تک کا دو سالہ وقفہ اسلام پسند محاذ کے لیے بڑی جان فشانی اور عرق ریزی کا وقفہ تھا۔ اس عرصے میں اسلام پسند عنصر نے ایک طرف طاقت کا جائزہ لے لیا اور دوسری طرف سوڈان میں اسلامی نظام کے قیام کے لیے مشکلات کو سر کرنے اور اپنی آواز کو موثر بنانے کے لیے تدابیر سوچیں۔ یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ جس طرح پاکستان کے قیام کا محرک اسلامی نظام کا نعرہ تھا اور جس طرح انڈونیشیا کی جنگ آزادی اسلام کے نام پر لڑی گئی تھی۔ اسی طرح سوڈان کی ڈیڑھ کروڑ مسلمان آبادی بھی آزادئ سوڈان اور غلبہ اسلام کو لازم و ملزوم سمجھ کر برطانوی سامراج کے مظالم کا مقابلہ کرتی رہی، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ سوڈان کے جہاد حریت کے ڈانڈے مہدی سوڈانی کی تحریک تجدید و اصلاح سے ملتے تھے تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔

سُوڈان کا مُسلمان

سوڈان (شمالی خطہ) کے بارے میں خاص طور پر جاننے کی چیز یہ ہے کہ وہاں اگرچہ اسلام کو شعوری طور پر سمجھنے والوں کی تعداد کا تناسب پاکستان سے بھی کم ہے، لیکن جذباتی لگاؤ کے لحاظ سے سوڈانی بڑے مذہب پرست اور روایات کے پابند ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سوڈان کی عام آبادی پر سیاسی پارٹیوں کی بہ نسبت مذہبی حلقوں کا اثر ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ سوڈانی مسلمان (باستثنائے چند) یا تو مہدی خاندان کے سلسلہ انصار سے وابستہ ہوگا یا علی المیرغنی کے حلقہ الختمیہ سے منسلک ہوگا۔ سوڈان کے سیاسی دور میں (یعنی ۵۸ء کے فوجی انقلاب سے پہلے) سوڈان کی ہر سیاسی پارٹی اپنے بقا اور مقبولیت کی خاطر انھی سلسلوں میں سے کسی ایک سلسلہ کی پشت پناہی حاصل کرنے پر مجبور ہوتی تھی۔ اب سیاسی سرگرمیوں کی بساط لپٹ جانے کے باوجود لوگوں کی مذہبی حلقوں سے وابستگی پر کوئی آنچ نہیں آئی، بلکہ جنرل عبود اپنی ساکھ کو قائم رکھنے کے لیے مجبور ہے کہ سرکاری تقریبوں میں

علی المیرغنی یا صادق المہدی یا کسی اور مذہبی پیشوا کو شریک کرے۔ اسلامی تحریک بھی اپنا مضبوط وجود رکھتی ہے، مگر ابھی وہ پڑھے لکھے طبقے تک محدود ہے۔

پاکستان کے اثرات

ان ابتدائی گزارشوں کے بعد اب ہم اس دستوری مہم کا جائزہ لیتے ہیں جو ۵۶ء اور ۵۷ء میں سوڈان میں یکایک اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے ملک کے اندر پھیل گئی۔ سوڈان کی دستوری مہم انتظام و انصرام، طریق کار، دلائل و براہین اور فکر و نظر کے اعتبار سے پاکستان کی دستوری مہم سے نہایت قریبی مماثلت رکھتی ہے۔ اگر ملک کا نام سوڈان کے بجائے پاکستان اور زبان عربی کے بجائے اردو اور خرطوم یا ام درمان یا عطبرہ کے بجائے کراچی، لاہور اور ڈھاکہ رکھ دیا جائے تو اس کے سوا اور کوئی فرق نظر نہ آئے گا کہ پاکستان کی دستوری مہم کو دس سال کے بعد جو انجام دیکھنا پڑا سوڈانی مہم نے دو ہی سال کے بعد دیکھ لیا۔ اور منزل کے قریب پہنچ کر جنرل عبود کی آمریت کا لقمہ ہوگئی۔ سوڈان کو جن ایام میں آزادی ملی ہے پاکستانی دستور یہ ان ایام میں اپنے آخری اجلاس منعقد کر رہی تھی اور اس کے تین ماہ بعد ہی وہ دستور سازی سے فارغ ہوگئی تھی۔ ۵۶ء کے وسط میں (یعنی مؤتمر اسلامی فلسطین کے انعقاد کے معاً بعد) سوڈان کے لوگوں کو پاکستان کے اسلام پسند عنصر سے ربط کا موقع مل گیا۔ یہ موقع حج کے عالمگیر اجتماع کا فراہم کردہ تھا۔ سوڈان کے لوگوں نے اپنے پاکستانی بھائیوں سے دستور اسلامی کے موضوع پر گفتگو کی اور آئینی معرکے سر کرنے کے لیے پاکستان کے تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ چنانچہ انہوں نے پاکستان کی مشہور صاحبِ علم شخصیت جناب مولانا ظفر احمد انصاری کو جو پہلے ہی سوڈان جانے کا ارادہ رکھتے تھے وہاں آنے کی دعوت دی۔ موصوف نہ صرف یہ کہ دستوری مسائل میں ماہرانہ نظر رکھتے ہیں بلکہ انہوں نے پاکستان کے قیام اور پاکستان کی دستوری تحریک کے ہر مرحلے میں قابلِ قدر خدمات انجام دی تھیں۔ دستور کے موضوع پر آپ کا تاریخی مقالہ "ہمارے دستوری مسائل کا نظریاتی پہلو" اخوان

اخوان المسلمون کے ماہوار رسالے "المسلمون" میں شائع ہو چکا تھا۔ اور عرب حلقوں سے خراج تحسین وصول کر چکا تھا۔ اہل سوڈان نے ان کی آمد سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ــــــ آپ نے خرطوم یونیورسٹی میں خطاب عام کیا۔ دستوری مسائل پر اسلام پسند جماعتوں کی نمائندہ شخصیتوں سے گفتگو کی اور ان کو آئینی اور دستوری جد و جہد کے سلسلے میں اور عالم اسلام کے مسائل پر مفید مشورے دیئے۔

اسلامی محاذ

سوڈان کی دستوری مہم کا آغاز ایک اسلامی محاذ (الجبهة الاسلامیه للدستور) کی تشکیل سے ہوا۔ اس محاذ میں ۲۵ کے قریب ایسی جماعتیں اور انجمنیں شریک ہوئیں جو اسلامی نظام کی خواہاں تھیں۔ اسلامی محاذ کی طرف سے عوام میں یہ اپیل کی گئی کہ دستور ساز اسمبلی کے الیکشن میں دستور کی اسلامیت کو امیدوار اور ووٹر کے مابین ایک عہد قرار دیا جائے۔ تشکیل محاذ کے تھوڑے عرصے بعد اسمبلی کے الیکشن غیر معمولی اہمیت اختیار کر گئے اور ملک کے لیے موزوں دستور کا مسئلہ پوری شان و شوکت کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا اور دستور کے بارے میں طرح طرح کے نظریات کا چرچہ ہونے لگا۔ سعید رمضان کے الفاظ میں انتخابی معرکہ "دستوری جنگ" کی صورت اختیار کر گیا۔ (المسلمون فروری ۵۸ء)

"محاذ اسلامی" نے موتمر اسلامی کے نمائندہ سعید رمضان[۱] کی مدد سے ایک دستوری خاکہ مرتب کیا اور اسے ملک میں وسیع پیمانے پر شائع کیا۔ یہ خاکہ اس دستوری خاکے سے ملتا جلتا ہے جو پاکستان کے اسلامی فرقوں کے مشاہیر علماء نے "اسلامی مملکت کے بنیادی

---

[۱] جو اس وقت المسلمون کے ایڈیٹر اور موتمر اسلامی فلسطین کے جنرل سکریٹری تھے اور آج کل ان مناصب کے علاوہ "اسلامک سنٹر" جینوا کے ڈائریکٹر بھی ہیں۔

کے نام سے جنوری ۵۱ء میں مرتب کیا تھا۔ سوڈان کا ہفت روزہ "الاخوان المسلمون" محاذ کا آرگن تھا اور روزنامہ "الایام" معاون و مددگار۔ موتمر اسلامی کے جنرل سکریٹری (سعید رمضان) نے انتخابی مہم کا جائزہ لینے کے لیے دوبار سوڈان کا دورہ کیا۔ اور فروری ۵۸ء (یعنی انتخابات سے صرف ایک ماہ قبل) المسلمون میں معرکتنا فی السودان (سوڈان میں ہماری جنگ) کے عنوان سے طویل روداد شائع کی۔ جس میں اس خیال کا اظہار کیا:۔

"مجھے انتخابی مہم کے آغاز ہی میں سوڈان جاکر اسلامی محاذ کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کا اتفاق ہوا۔ میں نے سوڈان کے اہم مقامات کا دورہ کر کے عوام کے رجحانات کا اندازہ لگایا اور یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ سوڈان کا عام شہری دل و جان سے اسلامی دستور اور اسلامی محاذ کا حامی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ سوڈان کی دینی اور مذہبی جماعتیں اور خانقاہی حلقے اسلامی دستور کی حمایت میں ہیں۔"

مارچ ۵۸ء میں سخت سیاسی ہنگاموں کے عالم میں اسمبلی کے انتخابات منعقد ہوئے۔[1] دستور کا مسودہ تیار کرنے کے لیے ایک چالیس رکنی بورڈ (اللجنۃ الاربعینیہ) قائم کیا گیا۔ اور جب مجلس دستور ساز کے اجلاس منعقدہ ۲۳ مئی ۵۸ء میں پہلا دستوری خاکہ پیش کیا گیا اور دستوری بنیادوں پر بحث کا آغاز ہوا تو اس وقت اسلامی دستور کا مطالبہ جس بلند آہنگی کے ساتھ اٹھا اس کا تصور کرنے کے لیے پاکستان کے ستمبر ۵۰ء کے حالات کو (جب کہ قرارداد مقاصد کے بعد پہلی مرتبہ دستوریہ کے اجلاس ہوئے تھے) ذہن میں مستحضر کر لینا کافی ہے۔

---

[1] ہماری معلومات کا ذریعہ "الاخوان المسلمون" ــــ سوڈان ــــ کے علاوہ "الشہاب (دمشق) اور "الحج" (مکہ معظمہ) بھی ہیں۔

ہمارا مطالبہ اسلامی دستور

"الاخوان المسلمون" (سوڈان) کی شائع کردہ رودادوں کے مطابق:۔

"مئی ۵۸ء کے آخری عشرے میں جب چالیس رکنی بورڈ کی ضمنی کمیٹی کی طرف سے دستور کا ابتدائی خاکہ پیش کیا گیا تو اس وقت سوڈان میں جگہ جگہ دستوری بحثوں اور تجویزوں کا غلغلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ بڑے بڑے شہروں میں ہی نہیں بلکہ دور افتادہ بستیوں اور قصبوں میں دستوری جلسے ہوئے اور کتاب و سنّت کو دستور کا ماخذ قرار دینے کا مطالبہ کیا گیا۔ بڑے بڑے چوکوں میں، مسجدوں اور پبلک ہالوں میں اسلامی محاذ کے کارکنوں کے خطابات ہوئے۔ ارکان دستوریہ کو ان کے وعدے یاد دلائے گئے۔ معززین کے اجتماعات میں اسلامی دستور کی حمایت میں قراردادیں پاس کی گئیں۔ مختلف جمعیتوں اور ایسوسی ایشنوں کی طرف سے صدر دستوریہ کے نام محضر نامے بھیجے گئے۔ تاروں اور خطوط کا تانتا بندھ گیا۔ ہر حلقے کے لوگوں نے اپنے نمائندوں پر اسلامی دستور کی حمایت کے لیے دباؤ ڈالا۔ اسلامی فرقوں کے نمائندہ علماء کی کانفرنسیں ہوئیں اور اسلامی دستور کی تفصیلات طے کی گئیں۔ جگہ جگہ مجالس مذاکرہ میں دستور کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا۔ جمعہ کے اجتماعات میں رائے عامہ کو اسلامی دستور کے لیے ہموار کیا گیا۔ چوکوں اور چوراہوں میں مطالبہ دستور کے بورڈ اور کتبے آویزاں کیے گئے اور الشعب المسلم یطالب بالدستور الاسلامی۔" (مسلم عوام دستور اسلامی کا مطالبہ کرتے ہیں) کی صدائیں بلند ہوئیں۔ مجلس دستور ساز کے اندر اسلامی دستور پر ہنگامہ ہوا۔ سوڈان کے وسیع الاثر مذہبی حلقوں کے پیشواؤں، عبدالرحمٰن المہدی اور علی المیرغنی کی طرف سے اسلامی دستور کی تائید میں بیانات دیئے گئے جن میں کہا گیا:۔

"چونکہ ملک کے لیے نیا دستور بن رہا ہے اس لیے اس موقع پر ہم یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ سوڈان کو اسلامی اور جمہوری ریاست بنایا جائے اور اس کے

دستور میں شریعت اسلامی کو قانون سازی کا ماخذ تسلیم کیا جائے۔"

ملک کی دونوں سیاسی پارٹیاں، امۃ پارٹی اور شعب پارٹی میں دستور کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے پر رسہ کشی ہوتی رہی۔ انصار کے پیشوا اور امۃ پارٹی کے پشت پناہ عبدالرحمٰن المہدی نے انتخاب کے موقع پر اپنے بیٹے کو ٹکٹ دینے کے بجائے موجودہ وزیر اعظم عبداللہ خلیل کو صرف اس وجہ سے نامزد کیا تھا کہ اس سے اسلامی دستور کی حمایت کی توقع تھی۔ اور اس حمایت کا جب معاہدہ طے ہوا تھا تو اس وقت المہدی نے عبداللہ خلیل کو قرآن کا ایک نسخہ ہدیہ کرتے ہوئے اشارہ کیا تھا کہ ملک کی بنیادوں کو اس کتاب مقدس کی ہدایت کے بموجب استوار کیا جائے گا۔ سوڈان کے قاضی القضاۃ نے دستور ساز کمیٹی کو ایک طویل یادداشت بھیجی، جس میں کمیٹی سے مطالبہ کیا گیا کہ چونکہ سوڈان اسلامی ملک ہے، سوڈان کی تمام روایات وعادات اسلام سے ماخوذ ہیں اور چونکہ ملک کی اکثریت مسلمان ہے اس لیے اسلام ہی کو دستور کا مدار ومحور ہونا چاہیے۔

عذرات اور ان کا جواب

جس طرح پاکستان میں اسلامی دستور کی مہم کے دوران اسلامی دستور کے مخالفین نے "محقق" اور "ابورشید وجدانی" کے جعلی ناموں سے اسلامی دستور پر طرح طرح کے اعتراضات وارد کیے تھے اس طرح سوڈان میں "مسلم" اور "مومن" کے پردوں میں اس عنصر نے اپنی ڈیوٹی ادا کی۔ "انیل" اخبار میں ایک "مسلم" صاحب نے بڑے "سوز ایمانی" کے ساتھ اسلامی دستور کا مطالبہ کرنے والوں سے عرض کیا:

اسلامی حکومت کا مطالبہ پہلے آپ لوگوں کو اپنے آپ سے کرنا چاہیے۔ ہمارا اختلاف آپ لوگوں سے صرف یہ ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ پہلے قوم کی اس قدر اسلامی تربیت کر لی جائے کہ وہ اسلامی حکومت کے قیام کو گوارا کرے۔ خام عنصر پر اسلامی حکومت کی عمارت

کھڑی کر دینا نقصان دہ ہوگا۔ نیز ہمارے ملک کے بعض مسائل انتہائی پیچیدہ ہیں۔ ان میں سے ایک جنوبی سوڈان کا مسئلہ ہے جہاں کی آبادی تمام تر غیر مسلم[1] ہے۔ اگر ہم یہاں اسلامی دستور نافذ کر دیتے ہیں تو اس سے اہل جنوب برہم ہو جائیں گے اور اس کا نتیجہ ملک کے اندر انتشار اور افراتفری کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ اگر ہم ان دونوں مشکلوں کا پہلے مناسب حل پیدا کر لیں تو اس کے بعد دوسری مشکلات خود بخود حل ہو جائیں گی اور پھر ہم اپنی منشا کے مطابق جو چاہیں گے کریں گے۔"

"الاخوان المسلمون" نے ان "مسلم" صاحب کی مغالطہ انگیزیوں کا نہایت معقول جواب دیا اور ان تمام لوگوں کے شکوک وشبہات رفع کیے جو اسلامی دستور کے نفاذ کو

---

[1] سوڈان کے لیے جنوبی سوڈان کا مسئلہ وہی نوعیت رکھتا ہے جو پاکستان میں مشرقی پاکستان کی ہندو آبادی کا ہے۔ پاکستان میں بھی اسلامی دستور کے ناقابل قبول ہونے کے جو عذرات پیش کیے گئے تھے ان میں سے ایک عذر یہ تھا کہ مشرقی پاکستان کی ہندو اقلیت اس پر راضی نہ ہوگی۔ یہی عذر سوڈان میں مخالفین اسلام کی جانب سے پیش کیا گیا۔ اور یہی انڈونیشیا کے لادینیت پسندوں نے پیش کیا۔ سچ ہے "الکفر ملۃ واحدۃ"۔

دراصل انگریزوں نے اپنے دور اقتدار میں جنوبی سوڈان کو عملاً شمالی سوڈان سے الگ رکھا تھا۔ انگریز جنوبی سوڈان کو شمال سے کاٹ کر یوگنڈا کے ساتھ ملانا چاہتے تھے، مگر بوجوہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے مگر اہل جنوب کی بت پرست اکثریت کے دل میں شمال کے مسلمانوں کے خلاف شدید نفرت کے بیج ڈال دیئے گئے چنانچہ عین اس وقت جب دستور کے ابتدائی مسودہ پر بحث ہو رہی تھی جنوب کے ارکان مجلس دستوریہ سے واک آؤٹ کر گئے اور ایک ایسے وفاقی دستور کا مطالبہ کھڑا کر دیا جس میں جنوبی سوڈان کو داخلی طور پر مکمل آزادی ہو۔ خرطوم کے اندر اہل جنوب کی طرف سے اس مطالبے کے حق میں مظاہرے کئے گئے جن کی قیادت عیسائی پادریوں اور مشنریوں نے کی۔

غیر مسلموں کے حق میں نقصان وہ ثابت کر رہے تھے اور معاشرے کو ہموار کیے بغیر اسلام کے تمام قوانین یک بیک جاری ہو جانے کا خطرہ محسوس کر رہے تھے۔ صاحب مضمون نے واضح کیا:۔

"مسلم" اور "مومن" صاحب اور ان کے ہم خیال لوگ اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ دستور ایک ایسا وثیقہ ہوتا ہے جو یہ تعین کرتا ہے کہ مستقبل میں قوم کس منزل کی جانب گامزن ہونے والی ہے۔ معاشرے کی اصلاح اور افراد کی تربیت خود دستور کرتا ہے۔ اگر دستور اچھا ہوگا تو وہ معاشرے کو شریفانہ اور آزادانہ زندگی سے ہم کنار کرے گا اور اگر دستور کی بنیاد خواہشات نفسانی پر استوار ہوگی تو اس سے معاشرہ اضطراب و ہلاکت سے دوچار ہوگا۔ اصلاح معاشرہ ہی کی خاطر ہم دستور اسلامی کا مطالبہ کر رہے ہیں"۔

"یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ غیر اسلامی دستور کے تحت ـــــ یعنی ایسا دستور جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہراتا ہو ـــــ ہم معاشرے کی اسلامی نقطۂ نظر سے کیونکر اصلاح کر سکتے ہیں، بلکہ ایسے دستور کے تحت معاشرے کا اچھا عنصر بھی ختم ہو جائے گا اور اسی قسم کی نسل وجود میں آئے گی جو دستور چاہے گا۔ ہم آپ حضرات سے یہ پوچھتے ہیں کہ آپ افراد کی صحیح تربیت اس صورت میں کس طرح کر سکتے ہیں جب ملک کے اندر قانونی طور پر زنا حلال ہو، شراب جائز ہو، بیواؤں کو باقاعدہ بدکاری کے لائسنس دیئے جاتے ہوں اور قحبہ خانوں کی حفاظت کے لیے پولیس متعین ہو کیا آپ کا خیال ہے کہ صرف مساجد کے اندر لوگوں کو وعظ و تلقین سے اصلاح کی جانب مائل کیا جا سکے گا۔ یہ خیال سراسر غلط ہے، کیونکہ جو خرابی آپ کا قانون اور آپ کی حکومت کا وسیع ادارہ پھیلائے گا اسے مسجد کی محدود آواز کیونکر دور کر سکتی ہے۔ اور پھر خود مسجد سے آپ اور آپ کی پارٹی کے لوگ لاتعلق ہیں۔ مسجدیں تو صرف غرباء کے لیے رہ گئی ہیں اور یہ غرباء ہی آپ سے اسلامی دستور کا مطالبہ کرتے ہیں"۔

"اسی طرح یہ بات بھی ذہن میں نہیں آسکتی کہ ایک طرف تو الحاد اور مادیت کو

بین الاقوامی سطح پر قوت اور اقتدار کے ذریعے ذہنوں میں بھرا جا رہا ہے۔ اور دوسری طرف اسلام کو نہتہ کر کے یہ مشورہ دیا جائے کہ وہ خانقاہوں میں محصور رہ کر دنیا کو ایمان و تقویٰ کی دعوت دیتا رہے۔ یہ اسلام سے وفاداری کی علامت نہیں ہے، بلکہ اسلام سے غداری کی اسکیم ہے"۔

اب سوڈان کی فوجی آمریت کے رخصت ہو جانے کا انتظار کرنا چاہیے۔ فوجی آمریت کا رخصت ہونا بھی کسی کارنامۂ اعجاز پر مبنی ہیں، مگر جس سرزمین میں ابھی تک مہدی کے ترانے گائے جاتے ہوں اور جو برطانوی استعمار سے نجات حاصل کر چکی ہو۔ اس کے لیے چند فوجی لیڈروں کو فہمائش کر دینا مشکل نہیں ہے[1]۔ ع

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

جنرل عبود کو عوامی جدوجہد کے نتیجے میں اس طرح قصر حکومت سے رخصت کیا گیا جس طرح پاکستانی عوام نے ایوب خان کو کیا تھا۔ پھر ایک سیاسی حکومت اسماعیل ازہری کی سربراہی میں قائم ہوئی اور وہی دستوری بحثیں عود کر آئیں جو پہلے ہو چکی تھیں۔ ۱۹۶۹ء میں حج کے زمانے میں شاہ فیصل مرحوم نے حج کے موقع پر مسلم زعماء کو جو شریک حج تھے ایک عشائیہ دیا۔ ان میں سوڈان کے وزیر اعظم اسماعیل ازہری بھی تھے۔ اس تقریب میں اسماعیل ازہری نے تقریر کرتے ہوئے یہ اعلان کیا:"

"ہم سوڈان میں کتاب و سنت کے مطابق قانون سازی کریں گے"۔

اس کا یہ اعلان اگلے روز عالمی پریس میں شہ سرخیوں کے ساتھ چھپا۔ اسماعیل ازہری جب حج کر کے واپس گیا تو پھر چند دنوں کے بعد ہی ۲۵ رمئی ۱۹۶۹ء میں کرنل جعفر نمیری نے اس کا تختہ الٹ دیا۔ اور ان تمام دستوری کاوشوں پر یکایک اور بے سبب پانی پھیر دیا جو سوڈان کو اسلامی ریاست میں تبدیل کرنے کے لیے ایک مدت سے سرانجام دی جا رہی تھیں۔ جعفر نمیری نے اپنے دور اقتدار (۱۹۶۹ء ـــــ ۱۹۸۳ء) میں دو چولے بدلے۔ ۱۹۶۹ء تا

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۶ - شمالی افریقہ

شمالی افریقہ کے نوآزاد ممالک میں سے مراکش اور نائیجیریا دو ایسے ملک ہیں جہاں اسلامی نظام کی کچھ خواہش پائی جاتی ہے۔ تونس میں صدر حبیب بورقیبہ کا آمرانہ تسلط ملک کو اسی راستے پر ڈال چکا ہے جس پر جمال عبدالناصر نے مصر کو اور سوکارنو نے انڈونیشیا کو

۱۹۷۳ء اس نے کمیونسٹ عناصر کے ساتھ مل کر حکومت کی اور جب کمیونسٹوں نے نمیری سے بھی نجات حاصل کرنے کے لیے بغاوت کردی اور اس بغاوت میں نمیری بال بال بچ گیا تو اس نے "مصالحت" کا راستہ اختیار کیا۔ یعنی اسلام پسند قوتوں سے مصالحت۔ اور ۱۹۸۲ء میں اس نے اسلامی قوانین کے نفاذ کا اعلان کیا اور کچھ عملی اقدامات کر بھی ڈالے، مگر اس نے اپنا تھوکا ہوا دوبارہ چاٹ لیا اور پھر امریکہ کے دورہ پر نکل گیا۔ امریکہ سے واپسی پر راستے میں تھا کہ چیف آف آرمی سٹاف جنرل عبدالرحمان سوارالذھب نے انقلاب برپا کر دیا اور پھر چند روز کے اندر اندر انتخاب کروا کر حکومت سیاست دانوں کے سپرد کر دی۔ یہ حکومت صادق المہدی اور عثمان المیرغنی کی کولیشن سے وجود میں آئی، مگر یہ بات عیاں تھی کہ "مری تعمیر میں مضمر ہے ایک صورت خرابی کی"۔۔۔ ۱۹۸۹ء کو جنرل عمر حسن بشیر نے پھر فوجی انقلاب برپا کر دیا۔ اسلام سے دوری کی وجہ سے سوڈان ہر لحاظ سے پس ماندگی کا شکار ہوا۔ شمالی سوڈان فقر و فاقہ میں مبتلا ہے اور جنوبی سوڈان میں بغاوت کے شعلے پہلے سے بھی زیادہ بلند ہو چکے ہیں۔ سوڈان میں ڈاکٹر حسن الترابی کی قیادت میں اسلامی تحریک قابل لحاظ قوت بن چکی ہے اس تحریک کے تین محاذ ہیں۔

۱ ۔۔۔ سیاسی محاذ: نیشنل اسلامک فرنٹ، سکریٹری جنرل ڈاکٹر حسن الترابی۔

۲ ۔۔۔ دعوت و تربیت کا محاذ: تنظیم دعوت اسلامی صدر جنرل (ریٹائرڈ) عبدالرحمان حسن سوارالذھب۔

۳ ۔۔۔ خدمت خلق محاذ: اسلامک ریلیف ایجنسی، صدر ڈاکٹر عبداللہ سلیمان یہی اسلامی تحریک سوڈان کو گرداب بلا سے نجات دے سکتی ہے۔ (م۔ ح اکتوبر ۱۹۸۹ء)

ڈال رکھا ہے۔ لیبیا میں سنوسی بادشاہت اگرچہ وہ طمطراق اور شکوہ نہیں رکھتی جو بادشاہی نظام کا خاصہ ہے لیکن عوام کے اندر سیاسی شعور کا فقدان اور اقتصادی پسماندگی کسی حرکت خیز نظرئے کی متحمل نہیں ہے[1]۔ الجزائر ابھی جہاد آزادی لڑ رہا ہے[2]۔

مراکش میں اسلامی اثرات کا جائزہ

مراکش کو آزاد ہوئے چھٹا سال گزر رہا ہے، لیکن اس کی مظلومیت کا یہ حال ہے کہ وہاں فرانسیسی اثرات اس قدر وسیع پیمانے پر ہیں کہ وہاں کے پرائمری اسکولوں کی تعلیمی زبان بھی ابھی تک فرانسیسی ہے۔ پاکستان کا اسلامی لٹریچر اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہاں پہنچ رہا ہے۔ وہاں کی اسلامی جماعت کے لیڈر محمد المکی الناصری رسالہ دینیات کا عربی ایڈیشن طنجہ سے شائع کر چکے ہیں۔ رباط کے نیم سرکاری پرچے دعوۃ الحق میں چار سال سے مولانا مودودی کے مضامین و مقالات شائع ہو رہے ہیں اور اسلام پسند عنصر کو فکری غذا فراہم کر رہے ہیں۔ (بلکہ اگر دعوۃ الحق کا کوئی شمارہ مولانا محترم کے مقالہ سے خالی ہو تو قارئین کی جانب سے سخت شکوہ ہوتا ہے) ۵۷ء کی بات ہے کہ مکی الناصری[3] صاحب نے مولانا مودودی کی کتاب "اسلامک لا اینڈ کانسٹی ٹیوشن" (انگریزی) کا ایک نسخہ سابق سلطان مراکش مرحوم محمد خامس کو پیش کیا تھا ۔۔۔۔ سلطان نے اسے پڑھ کر کہا تھا:

---

[1] لیبیا میں کرنل معمر قذافی نے یکم ستمبر ۱۹۶۹ء کو فوجی انقلاب برپا کر دیا جو اب تک ختم نہیں ہوا۔ ۲۱ سال سے لیبیا کے عوام اس انقلاب کے دھچکوں میں مبتلا ہیں۔ خدا ان پر رحم فرمائے۔

[2] ۳ جولائی ۱۹۶۲ء کو الجزائر آزاد ہو گیا۔ دس لاکھ انسانوں نے آزادی کے لیے اپنی جانوں کی قربانی پیش کی، مگر آزادی کے بعد فرحات عباس اور بن بلا نے اشتراکیت اور آمریت کے امتزاج سے ایک ظالمانہ نظام قائم کر دیا۔

[3] موصوف آج کل اغادیر مراکش کے گورنر ہیں (اب ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ مصنف ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۹ء)

"میں ان شاء اللہ ملک کی گاڑی کو اس کے مطابق چلاؤں گا۔"[1]

ملک گیر کانفرنس میں اسلامی دستور کا مطالبہ

۶۰ء میں مراکش کے دارالحکومت رباط میں ملکی مسائل پر غور و خوض کے لیے ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہو چکی ہے جس میں اطراف ملک سے تین سو کے قریب اہل علم و فکر حضرات شریک ہوئے ہیں اور ملک میں بڑے بڑے اداروں نے جن میں قسنروین یونیورسٹی خاص طور پر قابلِ ذکر ہے اپنے نمائندے بھیجے ہیں۔ اس کانفرنس میں ذیل کی قرار دادیں بالاتفاق پاس کی گئی ہیں:۔

دستور

۱— زیر ترتیب دستور میں یہ واضح کر دیا جائے کہ ریاست کا سرکاری مذہب اسلام ہو گا اور ریاست کی سرکاری زبان عربی ہو گی۔

۲— یہ واضح کر دیا جائے کہ قرآن کریم اور سنت نبوی قانون سازی کا مآخذ ہوں گے (کانفرنس ہر اس دفعہ کی مخالفت کرے گی جو اپنے مفہوم اور الفاظ دونوں کے لحاظ سے اسلامی شریعت کے منافی ہو گی)۔

۳— دستور سازی کے لیے جن لوگوں کی خدمات حاصل کی جائیں، ضروری ہے کہ وہ ایک طرف شریعت اسلامی اور اس کے بنیادی مقاصد کا وسیع علم رکھتے ہوں اور سیرت و کردار کے لحاظ سے بھی بے داغ ہوں اور دوسری طرف ملک کے ماحول کا عمیق مطالعہ رکھتے ہوں

---

[1] مرحوم کے یہ الفاظ مکی الناصری صاحب کے ایک خط سے اخذ کیے گئے ہیں جو انہوں نے مولانا مودودی کو لکھا تھا۔

اور مطلوبہ اہلیت و قابلیت کی شرائط پر پورے اترتے ہوں۔

۴— دستور میں یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ مراکش عرب قوم کا ایک حصہ ہے۔ اور عربوں کے اتحاد کو اپنا مطمح نظر رکھتا ہے۔ عرب اور مسلمانوں کے اتحاد کے لیے پہلے قدم کے طور پر دستور میں پورے مغرب عربی (یعنی مراکش، موریطانیہ، الجزائر اور تونس) کو ایک وحدت تسلیم کیا جائے۔

تعلیم

۱— یہ کانفرنس اس خطرناک پالیسی کی شدید مذمت کرتی ہے جس کے تحت ملک کے اندر فرانسیسی زبان کے نفوذ کی حفاظت کی جا رہی ہے۔ اور اسے تمام وزارتوں میں تمام محکموں میں، تعلیم کے تمام مراحل میں اور اکثر مذہبی مدارس میں بھی سرکاری زبان قرار دیا گیا ہے۔ اور ملکی زبان (عربی) کو اس کے حامیوں کو تمام میدانوں سے پیچھے ہٹایا جا رہا ہے۔

۲— یہ کانفرنس جلالۃ الملک کی حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ عوامی مطالبات کا احترام کرنا چاہیئے۔ عوام اپنی قومی زبان کے علاوہ کسی دوسری زبان کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

۳— یہ کانفرنس تعلیم کے معاملے میں ترجیحی سلوک کی پالیسی کی شدید مذمت کرتی ہے۔ اس پالیسی کی رو سے فرانسیسی زبان کے سند یافتگان کے لیے تمام سرکاری ملازمتوں کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ اور عربی زبان کے سند یافتہ کے لیے تمام دروازے مسدود ہیں۔ اس امتیاز کی تہ میں محض یہ جذبہ کارفرما ہے کہ قومی زبان اور اس کے حامیوں کو زیادہ سے زیادہ ذلیل کیا جائے۔"

لیکن اصل مسئلہ اس وقت حل ہو گا جب مراکش کا مجاہد مسلمان جس طرح ملک کو آزاد کرانے کے لیے فرانس سے مسلح جنگ لڑا ہے اسی طرح ملک کو صحیح اسلامی ریاست میں

تبدیل کرنے کے لیے فرنگیت زدہ عنصر کے ساتھ فکری اسلحے سے بھرپور جنگ لڑے گا۔ ظاہر ہے کہ اس دور میں کامیابی صرف اس کے پاؤں چومتی ہے۔ جو فکری لحاظ سے میدان مار لے جائے۔

مراکش کا نیا دستور

آخرکار جدوجہد کے بعد دسمبر ۱۹۶۲ء کو مراکش میں نیا مستقل دستور نافذ ہو چکا ہے۔ یہ دستور سلطان مراکش حسن دوم نے وضع کیا ہے اور ملک کے اندر استصواب عام کے بعد اسے قانون اساسی کا درجہ دیا ہے۔ اس کے حق میں ۳۷ لاکھ ۳۳ ہزار ۸ سو ۱۶ ووٹ آئے اور مخالفت میں ایک لاکھ ۱۳ ہزار ۱ سو ۹۹ ووٹ آئے ہیں۔ ملک کی تمام دینی جماعتوں، خواتین کی انجمنوں، طلبہ کی یونینوں اور صنعت و حرفت سے تعلق رکھنے والی ایسوسی ایشنوں نے جن کی کل تعداد ۲۲ ہے۔ دستور کے حق میں رائے دی ہے۔ البتہ کمیونسٹوں اور بائیں بازو والوں نے مخالفت میں رائے دی ہے۔ دستور کی کامیابی کا سہرا بڑی حد تک استقلال پارٹی کے لیڈر علال الفاسی کے سر ہے۔ جنہوں نے بڑی تگ و دو کے ساتھ دستور کے حق میں فضا ہموار کی۔

جدید دستور کی رو سے ملک کا سرکاری دین اسلام ہوگا۔ عربی سرکاری زبان ہوگی مراکش کے فرماں روا کا لقب امیر المومنین ہوگا۔ اور دین کی حمایت اور حفاظت اس کا فرض ہوگا۔ عدلیہ انتظامیہ سے الگ اور آزاد ادارہ ہوگی۔ تعلیم اور کاروبار میں تمام باشندگان ملک یکساں حقوق کے مالک ہوں گے۔ انتخابی مجالس کے ذریعے عوام اپنے جمہوری حقوق کا استعمال کریں گے۔ نظام حکومت پارلیمانی ہوگا۔

اس دستور میں اگرچہ یہ واضح نہیں کیا گیا کہ دستور سازی کا ماخذ کتاب و سنّت ہوں گے یا نہیں۔ تاہم دین پسند اور وطن دوست جماعتوں نے دستور کی حمایت اس بنیاد پر کی ہے کہ چونکہ دستور میں ترمیم کا دروازہ کھلا رکھا گیا ہے اس لیے اسلامی نقطۂ نظر

سے دستور میں جو خامیاں رہ گئی ہیں انھیں جدوجہد سے دور کروایا جا سکتا ہے۔

۷۔ نائیجیریا

نائیجیریا کا مستقبل اسلامی نقطۂ نگاہ سے غیر واضح ہے۔ موتمر اسلامی فلسطین وہاں فکر اسلامی کے فروغ کے لیے کوشاں ہے اور مقامی مسلم جماعتوں کے تعاون سے بعض مطلوبہ تدابیر عمل میں لا رہی ہے۔ مولانا مودودی کی انگریزی تصنیفات کی مانگ کافی بڑھ گئی ہے۔ ایک چھوٹے سے واقعہ سے وہاں کی خفتہ آرزوں کو سمجھا سکتا ہے۔ ماہنامہ البعث الاسلامی (لکھنؤ) کے شمارہ ستمبر ۵۸ء کے تحریک اسلامی نمبر میں جماعت تبلیغ کے ایک کارکن ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب اپنے دورہ انگلستان کی ڈائری میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

> "لندن کے اسلامی مرکز میں میری ملاقات نائیجیریا کے وفد (جو غالباً حصول آزادی کے سلسلے میں لندن گیا ہوگا) کے بعض ارکان سے ہوئی۔ ان کی زبانی معلوم ہوا کہ نائیجیریا میں مسلمانوں کی تعداد ۲۵ ملین (اڑھائی کروڑ) ہے، لیکن انگریزی استعمار نے انہیں بالکل بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ ان کی آزادی پامال کر دی گئی ہے۔ ارکان وفد نے یہ بھی بتایا کہ ہم ملکی دستور کو پاکستان کے دستور کی روشنی میں مدون کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ لیکن وہاں کے بُرے حالات نے اس معاملے میں ہمیں بدگمانیوں میں مبتلا کر دیا۔"

اکتوبر ۶۰ء سے نائیجیریا آزاد ہو چکا ہے۔ وہاں کے مسلمان انگریز کے طوق و سلاسل سے نجات پا چکے ہیں۔ اب توقع رکھنی چاہیئے کہ آزادی کے بعد ان کا سب سے پہلا کام احیائے اسلام ہوگا۔

۸۔ پاکستان

اے تماشا گاہ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا می روی!
(سعدیؒ)

عالمی اثرات کی چند کرنیں

۱ ــــــ ۱۹۸۰ء[ل] میں بیت المقدس میں (جو جون ۱۹۶۷ء سے یہودیوں کے قبضے میں ہے) فلسطینی نوجوانوں نے مولانا مودودیؒ کی وفات پر ایک تقریب منعقد کی۔ اس تقریب میں فلسطین کے نامور اہل علم شریک ہوئے۔ ایک نوجوان نے دوران تقریر کہا:

> "مولانا مودودیؒ کی فکر ہمارے رگ و پے میں سرایت کر چکی ہے فلسطینی نوجوان جو یہودیوں کی چیرہ دستی کا بری طرح شکار ہو رہا ہے فکر مودودیؒ ہی اس کا سہارا اور اس کے مستقبل کی روشنی ہے۔ وہ دن دور نہیں ہے جب فلسطین کے نوجوان اسی فکر کے بل پر اٹھیں گے اور فلسطین کی آزادی کا پرچم بلند کریں گے۔" ــــــ (ملاحظہ ہو کتاب: القلب باک)

اور اب یہ نوجوان دسمبر ۱۹۸۷ء سے فلسطین کی آزادی کی مبارک تحریک شروع کر چکے ہیں۔ مسجدیں ان کے مورچے، پتھر ان کا اسلحہ اور ایمان ان کی اصل طاقت ہے۔ جس طرح افغان مجاہدین نے روس کو افغانستان خالی کرنے پر مجبور کر دیا ہے اسی طرح خدا نے چاہا تو فلسطین کا نوجوان مجاہد بھی یہودیوں کے ناپاک قدموں سے سرزمین انبیاء کو پاک کر کے دم لے گا۔

۲ ــــــ ایک مرتبہ ریاض میں ریاض یونیورسٹی کے ایک طالب علم نے جس کا نام سامی

[ل] یہ مقالہ اسلامی جمعیت الوکلاء کے ایک اجتماع کے لیے لکھا گیا تھا جو ستمبر ۱۹۸۸ء میں ہونے والا تھا پھر پنجاب میں سیلابوں کی وجہ سے اسے ملتوی کر دیا گیا تھا۔ ــــــ (رخ ح)

الوکیل ہے، مجھے کھانے کی دعوت دی۔ کھانے کے بعد اس نے مولانا مودودی رحمہ اللہ سے اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کرنے کے بعد بتایا کہ:۔

"اس نے متعدد اہل قلم کی نگارشیں پڑھی ہیں۔ عباس محمود العقاد کے فلسفہ، طٰہٰ حسین کی جدت طرازی، احمد حسن زیات کی ادبیت، مولانا ابوالحسن علی ندوی کی شیریں بیانی سے وہ خوب لطف اندوز ہوتا رہا ہے۔ مگر کچھ عرصہ ہوا اس نے مولانا مودودیؒ کے چند کتابچے عربی زبان میں پڑھے ہیں شہادت حق، اسلام اور جاہلیت، جہاد فی سبیل اللہ، اسلام کا نظریہ سیاسی وغیرہ۔ پہلے مصنفین کی تحریروں سے وہ ذہنی لذت اور اسلوب و انداز کا لطف حاصل کرتا رہا ہے، مگر مولانا مودودیؒ کے کتابچوں نے اس کے ذہن میں کھلبلی مچا دی ہے۔ اور اس کے سامنے یہ سوال کھڑا کر دیا ہے کہ "میں کیا ہوں اور مجھے کیا ہونا چاہیئے؟" اس نوجوان کے یہ الفاظ تھے۔ اقض علی مضجعی (اس لٹریچر نے میری نیند اڑا دی ہے)

اب یہ نوجوان اپنی زندگی کو اسلامی دعوت کے لیے وقف کئے ہوئے ہے۔ جامعہ الملک سعود ریاض میں استاذ ہے۔

۳ــــ مولانا مودودی کے آخری سفر امریکہ سے ایک ہفتہ بیشتر اسپین کے شہر غرناطہ سے مولانا مرحوم کے نام ایک خط آیا۔ لکھنے والا ایک عیسائی نوجوان ہے۔ اس کی والدہ نے اسے چرچ کی نذر کر رکھا ہے۔ ایک مسلمان شامی نوجوان نزار صباغ اس کا کلاس فیلو ہے، وہ اسے اسلام کے موضوع پر ہسپانوی زبان میں چھپنے والی ایک کتاب مطالعے کے لیے دینا چاہتا ہے۔ یہ نوجوان عیسائیت کے تعصب میں اس قدر مبتلا ہے کہ وہ اس کتاب کو ہاتھ تک نہیں لگاتا۔ شامی نوجوان اپنے عیسائی دوست کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ اس کتاب کا ناقدانہ مطالعہ کرے اور اس کی خامیوں سے ابنائے وطن کو آگاہ کرے۔ یہ بات سن کر

عیسائی نوجوان جوش میں آجاتا ہے اور کتاب کو نفرت و حقارت سے بھرے ہوئے جذبات کے ساتھ پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ آدھی کتاب اسی انداز سے اس کی نگاہ سے گزرتی ہے۔ پھر وہ کچھ سنجیدہ ہو جاتا ہے۔ اور بتدریج اس کی سنجیدگی تفکر میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ کتاب ختم کر لیتا ہے دوبارہ اس کا مطالعہ شروع کرتا ہے۔ اور پھر شامی نوجوان کے پاس آکر سرگوشی کرتا ہے کہ مجھے بلا تاخیر اسلام کے دامن میں لے لیا جائے۔ میں نے اس کتاب کو ہیچ سمجھ کر ہاتھ میں لیا تھا، مگر اسے پڑھ کر معلوم ہوا کہ یہ کتاب ہیچ نہیں ہے، میں ہیچ ہوں۔ یہ نوجوان حلقہ بگوش اسلام ہو جاتا ہے۔ اور پھر مولانا مودودی کو خط میں لکھتا ہے:۔

"میرے پیارے باپ! میں نے آپ کو دیکھا نہیں ہے۔ میں نے آپ کی کتاب (رسالہ دینیات کا ہسپانوی زبان میں ترجمہ) پڑھی ہے۔ قیامت کے روز جب ہم خدا کے سامنے حاضر ہوں گے تو میں اپنے مہربان رب سے درخواست کروں گا کہ مجھے مودودی نے حق کا راستہ دکھایا اور تو آج مودودیؒ کی مغفرت فرما دے۔"

یہ خط پڑھ کر مولانا مرحوم کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔ اور وہ فرماتے ہیں "شاید یہی نوجوان میری بخشش کا ذریعہ بن جائے۔" اس نوجوان کا اسلامی نام خالد اسامہ ہے۔ ۱۹۸۲ء میں حج کے ایام میں میری اس سے ملاقات ہوئی ہے۔ نور ایمان سے منور آنکھیں اور سادہ و معصوم چہرہ۔ اور اب یہ ریاض میں امام محمد بن سعود اسلامی یونیورسٹی میں شریعت کی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔

۴ر جولائی ۱۹۸۷ء میں مجھے سکنڈے نیویا کے ممالک میں جانے کا اتفاق ہوا۔ سویڈن کے ایک صنعتی شہر مالمو (MALMO) میں یورپ کے اندر رہنے والے تحریکی طلباء نے ایک سہ روزہ تربیتی کیمپ لگایا۔ اس کیمپ کا ناظم مصر کا ایک اخوانی نوجوان عدلی ابوحجر تھا۔ مردوں کے ساتھ خواتین کی ایک تعداد بھی اس تربیت گاہ میں شریک تھی میری ایک تقریر مردوں کے سامنے تھی اور دوسری خواتین کے سامنے۔ تقریر کے بعد ایک خاتون

نے پیغام بھیجا کہ وہ مجھ سے تفصیلی ملاقات کرنا چاہتی ہے۔ یہ خاتون عدلی ابو حجر ناظم کیمپ کی بیوی ہے۔ سویڈش ہے۔ اپنی مادری زبان کے علاوہ انگریزی، جرمن، فرنچ اور ڈینش زبانوں پر بھی عبور رکھتی ہے۔ عربی زبان بھی اس نے سیکھ لی ہے۔ اور نہ صرف قرآن و حدیث سمجھ لیتی ہے بلکہ عربی بول بھی لیتی ہے۔ اس کا نام زینب ہے۔ اس نے بتایا کہ میں نے سٹوکلم یونیورسٹی سے مذاہب کا تقابلی مطالعہ پر پی ایچ ڈی کی ہے۔ ریسرچ کا نگران ایک عیسائی پروفیسر تھا۔ وہ تمام مذاہب پر نرم طریقے سے گفتگو کرتا مگر جب اسلام کا ذکر ہوتا تو اس کی پیشانی چڑھ جاتی اور وہ اسلام اور رسول اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر تابڑ توڑ حملے کرتا۔ اسلام اور دیگر مذاہب میں اس کا یہ امتیازی رویہ میرے لیے حیرت کا موجب بن گیا۔ ریسرچ کے دوران میں نے سوچا کہ مجھے خود اسلام پر اصل لٹریچر کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

لائبریری کھنگالنے کے بعد کئی کتابیں نظر سے گزریں۔ لیکن سب سے آسان اور واضح کتاب جو مجھے پسند آئی وہ Towards Understaning Islam تھی۔ میں نے اسے خوب پڑھا۔ پھر چند اور بھی کتابیں پڑھ لیں۔ اب الحمدللہ میں نہ صرف پی ایچ ڈی ہوں، بلکہ مسلمان خاتون ہوں۔ میرے متعصب نگران نے خود میرے لیے ہدایت کا دروازہ کھول دیا۔ میں اللہ کا بے حد شکر ادا کرتی ہوں۔ زینب نے بعد میں عدلی ابو حجر سے شادی کر لی۔ اور عربی زبان بھی سیکھ لی۔ اب یہ خاتون سویڈن کے ایک شہر گوتھے برگ میں مسلم وومن ایسوسی ایشن سے وابستہ ہے۔ اور کراچی کی ایک تحریکی خاتون مسز سعیدہ حمید کے ساتھ مل کر مسلمان اور غیر مسلم عورتوں میں اشاعت اسلام کے فرائض سرانجام دے رہی ہے۔ مسلمان بچوں کی تعلیم کے لیے اس نے ایک سکول بھی کھول رکھا ہے۔ اور اسلامی لٹریچر بھی منگوا کر وسیع پیمانے پر تقسیم کر رہی ہے۔ اب تک اور بھی متعدد سویڈش خواتین اور لڑکیاں حلقہ بگوش اسلام ہو چکی ہیں۔

۵ــــ گزشتہ حج میں رابطہ عالم اسلامی کے دفتر میں میری ملاقات ایک ۴۵ سالہ خوبرو

حاجی سے ہوئی۔ میں نے اس کا نام پوچھا تو اس نے بتایا: "فرید" دریافت کیا کہاں سے تشریف لائے ہیں۔ جواب دیا "پرتگال سے" کیا کاروبار کرتے ہیں؟ وہ اس سوال کا جواب نہ دے سکا۔ اسے صرف پرتگیزی زبان آتی تھی اور کچھ ٹوٹی پھوٹی انگریزی۔ وہ جلدی سے اٹھا اور ایک اردو دان ساتھی کو لے آیا جس کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ عبدالرحمٰن بھی پرتگال میں رہتا ہے۔ یہ اصلاً گوا سے تعلق رکھتا ہے۔ گوا پر جب پرتگالیوں کا قبضہ تھا تو اس کا باپ پرتگالی حکومت کی ملازمت میں گوا سے موزمبیق آگیا جو مشرقی افریقہ میں پرتگالیوں کی نو آبادی تھا۔ عبدالرحمٰن وہیں پیدا ہوا۔ اس کی مادری زبان اردو ہے۔ انگریزی اور پرتگالی زبانوں پر عبور رکھتا ہے۔ دس سال سے یہ موزمبیق کو چھوڑ کر پرتگال چلا گیا ہے۔ اور وہاں کسی سرکاری کمپنی میں کاروبار کرتا ہے۔ مولانا مودودیؒ کی کتابیں اردو اور انگریزی میں اس کے پاس ہیں جو اس کے ایک دوست نے گوا سے بھیجی ہیں۔ رسالہ دینیات، اسلام کا نظام حیات اور چھوٹی چھوٹی کتابوں کا پرتگالی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ پرتگال کے دارالحکومت لزبن میں اس نے ایک اسلامک سنٹر کھول رکھا ہے۔ وہاں ایک چھوٹی سی اسلامی لائبریری ہے۔ ہفتہ وار اجتماع کا انتظام ہے۔ عبدالرحمان کے ہاتھوں اب تک پچاس عیسائی خاندان مسلمان ہو چکے ہیں۔ خود فرید بھی ان کی کوششوں سے مسلمان بنا ہے۔ عبدالرحمٰن اور فرید دونوں مجھ سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ فرید جذبات میں آکر کہنے لگا۔ میں مولانا مودودی کا بیٹا ہوں۔ لزبن کی چھوٹی سی اسلامی سوسائٹی مولانا مودودی کی جماعت ہے۔ جب تک ہم لوگ ایام حج میں اکٹھے رہے روزانہ ملاقاتیں بھی ہوتی رہیں اور مختلف موضوعات پر گفتگو بھی۔

۶ــــ افریقہ ہی کے ایک اور ملک گیمبیا کے ایک نوجوان عیسیٰ فودی دابو جو، جو جمعیت تضامن اسلامی گیمبیا کے اسسٹنٹ سکرٹری ہیں، کے خیالات بھی سنیئے، موصوف اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:۔

"مولانا مودودی کی کتابوں نے گیمبیا میں بڑی مقبولیت حاصل کی۔ علی الخصوص نوجوان ان کتابوں سے بڑے متاثر ہوئے۔ جغرافیائی حالات کی وجہ سے گو یہ کتابیں بہت دیر کے بعد ہم تک پہنچیں، مگر اس کے باوجود مولانا مودودی کی دعوت نے ہمارے اکثر نوجوانوں پر غیر معمولی اثرات ڈالے۔ دوسری نوآبادیات کی طرح گیمبیا بھی استعمار کی فکری یلغار کا نشانہ بنا رہا ہے۔ اس یلغار کے سامنے بہت سے مسلمان دانشور شکست کھا گئے اور انہوں نے زندگی کے تمام مظاہر میں مغرب کی تقلید شروع کر دی اور اسلام اور اس کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا۔ اس دوران ہم پر اللہ کا فضل یہ ہوا کہ مولانا مودودی کا لٹریچر آگیا اور اس نے نوجوان نسل کو تقلید مغرب کی مہلک بیماری سے نکال لیا۔ ان کتابوں سے انہوں نے اسلام کی اصل حقیقت کو سمجھا۔ جیسا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے بیان کیا ہے۔ اس لٹریچر نے مغربی تہذیب کے زہر کو بھی بے نقاب کر دیا جس کے اثرات ہمارے تعلیمی نظام اور سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی اداروں کے اندر سرایت کیے ہوئے تھے۔ الحمدللہ اب ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ نہ صرف گیمبیا بلکہ ہمارے ہمسایہ ممالک کے اندر بھی نئی نسل اسلام کی طرف تیزی سے رخ کر رہی ہے۔ اور اسلام جسے ایک پرانا اور اوہام وخرافات پر مبنی مذہب سمجھ لیا گیا تھا اب اسے ایک جاندار نظریہ حیات اور اعلیٰ وافضل نظام تہذیب کی حیثیت سے قبول کیا جا رہا ہے۔ یہ مولانا مودودی کی فکر کا کرشمہ ہے۔"

۷۔ —— جنوبی افریقہ جائیں تو وہاں تمام تر افریقی معاشرہ مختلف قبائل کے اندر مربوط ملے گا۔ ان قبائل میں سب سے بڑا اور طاقتور قبیلہ زولو ہے۔ بڑا جنگ جو قبیلہ ہے۔ اور ساتھ ہی علم وثقافت کا دلدادہ بھی۔ زولو زبان میں کئی جرائد نکلتے ہیں، ہمارے ایک مقامی دوست

مسٹر صالح نے زولو اخبار کے ایک کالم نگار کو رسالہ دینیات کا انگریزی ایڈیشن زولو میں معاوضے پر ترجمے کے لیے دیا۔ زولو کالم نگار اپنی زبان کا بلند پایہ ادیب سمجھا جاتا تھا۔ اس نے اجرت پر اس کتاب کا ترجمہ شروع کر دیا۔ جب اس نے ترجمہ مکمل کر لیا تو وہ صالح صاحب کے پاس آیا اور اجرت کے بجائے اس نے اسلام میں داخل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا اور وہ تاخیر کے بغیر دامن اسلام میں آگیا۔ یہی ترجمہ اس نے کئی قسطوں میں اپنے اخبار میں چھاپا۔ زولو زبان میں رسالہ دینیات کے اب تک کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ دوسری کتابیں بھی ترجمہ ہو رہی ہیں اور زولو قوم کے اندر پھیل رہی ہیں۔

۸۔ —— خاکسار ستمبر ۱۹۸۸ء کے دوسرے ہفتے میں جنوبی تھائی لینڈ کے دورے پر تھا۔ یہ علاقہ تاریخ میں پٹانی کے نام سے مسلمانوں کی عظیم مملکت رہا ہے۔ صدیوں تک یہاں اسلام کا پرچم لہراتا رہا ہے۔ مگر اب یہ تھائی لینڈ کی بدھ حکومت کے زیر تسلط ہے۔ اس کی آبادی ۳۰ لاکھ کے قریب ہے۔ اس کے چار چھوٹے چھوٹے صوبے ہیں۔ فطانی، جالا، ناراتیوات اور ستول۔ مسلمان نوجوانوں نے پٹانی کی آزادی کے لیے بار بار جدوجہد کی ہے۔ اب بھی وہاں دو تنظیمیں پٹانی نیشنل لبریشن فرنٹ اور پٹانی اسلامک فرنٹ کے نام سے اپنے اپنے دائرے میں مصروف جہاد ہیں۔ اس دورے میں خاکسار چاروں صوبوں میں گیا۔ اور وہاں کے تعلیمی اور دینی اداروں اور نامور علمی وسیاسی شخصیتوں سے ملاقاتیں کیں۔ تعلیمی اداروں میں مسلمان بچیوں کو میں نے دیکھا کہ وہ پردے کی بڑی پابندی کرتی ہیں۔ کچھ بچیوں کا چہرہ ننگا اور باقی جسم پردے میں، اور کچھ بچیوں نے چہرہ پر بھی نقاب ڈال رکھا ہے۔ مشرق بعید کے اندر بالعموم مسلمان عورت پردے کے اس تصور سے ناآشنا ہے جو پاک وہند اور بعض دیگر مسلمان ملکوں میں پایا جاتا ہے۔ مگر پٹانی اور ملائشیا میں مسلمان لڑکیوں کے اندر نیا رجحان نظر آیا۔ یہ لڑکیاں گاڑی اور سوزوکی بھی پردے کے ساتھ چلاتی ہیں۔ ایک دن میں جالا صوبہ کے ایک قصبے بوجوڑ میں ایک دینی درسگاہ مدرز رحمانیہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس مدرسہ میں لڑکیوں کی بڑی تعداد بھی تعلیم حاصل کر رہی ہے۔ میں نے نہ صرف لڑکیوں کو پردے میں

دیکھا بلکہ باہر صحن میں جھاڑو دینے والی خاتون نے بھی پردہ اوڑھ رکھا تھا۔

میں نے اپنے دوست احمد عمر سے جو اسی مدرسے میں استاذ ہے پوچھا کہ پردے کا یہ انداز یہاں کیسے رواج پاگیا؟ احمد عمر نے برجستہ جواب دیا کہ "ہماری لڑکیوں نے مولانا مودودی کی کتاب "پردہ" پڑھ رکھی ہے"۔

یہ کتاب تھائی زبان میں بھی ترجمہ ہوچکی ہے اور ملائی زبان میں بھی۔ علاوہ ازیں مولانا مرحوم کی اور بھی کئی کتب تھائی اور ملائی زبان میں چھپ چکی ہیں۔ اور تعلیم یافتہ حلقوں میں پھیل رہی ہیں۔ بعد میں پٹانی شہر میں سنگلا یونیورسٹی کی لائبریری کے اسلامک سیکشن میں ان کتابوں کا پورا سیٹ دیکھنے کا موقع ملا۔

پٹانی کی سنگلا یونیورسٹی میں جب مسلمان اساتذہ اور طلبا سے ملاقات ہوئی تو ایک نوجوان ڈاکٹر اسماعیل لطفی نے کہا۔ چودھویں صدی عیسوی میں اس علاقے میں اسلام کا داخلہ مسلمان تاجروں اور طبیبوں کے ذریعے ہوا تھا۔ لوگ ان کے حسن معاملہ اور حسن سلوک سے متاثر ہوجاتے اور اسلام قبول کرلیتے۔ مقامی حکمران تک انہی تجار کی بدولت اسلام کے دامن میں آگئے۔ انیسویں صدی کے اوائل میں اس علاقے میں سامراجی طاقتوں کے حملے شروع ہوتے چلے گئے۔ مگر اب اس پورے علاقے میں اسلام پھر ایک طاقت بن رہا ہے۔ یہ شعوری اسلام ہے۔ اور موجودہ نسل جو اپنے شعور و فہم کے ساتھ اسلام کی طرف رخ کررہی ہے یہ وہ پہلی جماعت ہے جس نے پٹانی کی تاریخ میں سماعی نہیں بلکہ عقلی و منطقی اور شعور و ادراک کی بنیاد پر اسلام کو اپنا نصب العین قرار دیا ہے۔

ڈاکٹر اسماعیل لطفی نے اپنے ان خیالات کا اظہار کرنے کے بعد کہا: "ہماری موجودہ نسل مولانا مودودیؒ، حسن البناؒ اور سید قطبؒ کی ممنون ہے۔ جنہوں نے اس کے دل و دماغ میں اسلام کے مکمل تصور کی شمع روشن کردی ہے"۔

پٹانی کے دوسرے صوبے ناراتیوات میں میں۔ ایک دینی درسگاہ مدرسہ

التربیہ الاسلامیہ میں گیا۔ اور اس کے سربراہ شیخ عبدالقادر سے ملاقات کی۔ میں نے ان سے مسلمانوں کے حالات اور جدوجہد آزادی کے موضوع پر بات کرنا چاہی مگر انہوں نے یہ کہہ کر گفتگو کو آگے بڑھنے سے روک دیا کہ میں سیاست سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ ہم لوگ بغیر کسی رکاوٹ کے تعلیم و تبلیغ کا کام کر رہے ہیں، مگر مصیبت یہ ہے کہ کچھ نوجوان جو باہر سے پڑھ کر آئے ہیں ایک نیا اسلام پیش کر رہے ہیں اور جدید نسل کو گمراہ کر رہے ہیں۔ وہ نوجوان یہ دعوے کر رہے ہیں کہ موجودہ مسلمان جاہلیت میں مبتلا ہوچکے ہیں۔ مزید برآں یہ لوگ ہمیں ناقص مسلمان اور خود کو کامل مسلمان سمجھتے ہیں۔ اسلامی تحریک کے علمبردار بنے ہوئے ہیں۔ اور جہاد و قتال سے کم بات نہیں کرتے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ شیخ عبدالقادر کا تعلق تبلیغی جماعت سے ہے۔

شیخ عبدالقادر کے مقابلے میں خاکسار نے جب جالا شہر میں نہضۃ العلوم انسٹی ٹیوٹ کے اندر پٹانی نوجوانوں کی دو روزہ تربیت گاہ میں شرکت کی اور وہاں ان کی جو تقریریں سنیں تو ان سے اندازہ ہوا کہ یہ نوجوان حالات سے سخت بیزار ہیں۔ انہیں احساس ہے کہ وہ آزادی سے محروم ہیں۔ اور غیر مسلم طاقت کی غلامی کے اندر رہ رہے ہیں۔ ان کی تمام معیشت چینیوں، بودھوں اور عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے۔ اور یہ دوسرے درجے کے شہری بنے ہوئے ہیں۔ وہ ان حالات سے نکلنا چاہتے ہیں اور اس بات کے خواہش مند ہیں کہ انہیں ایسا معاشرہ نصیب آئے جس میں وہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے تحت اسلامی زندگی بسر کرسکیں۔ یہ نوجوان اسلامی تحریک کہلاتے ہیں جنہیں شیخ عبدالقادر ایک نئے اسلام کے علمبردار قرار دے رہے ہیں۔

۸۔۔۔ اسلامک پارٹی آف ملائشیا کے صدر جناب یوسف راوا[1] ملائشیا کی ریاست

---

[1] یوسف راوا کی بجائے اب استاذ فاضل نور اسلامک پارٹی کے صدر منتخب ہوئے ہیں۔ یوسف راوا کو دستوری لحاظ سے پارٹی کا "مرشد عام" بنادیا گیا ہے۔

پینانگ کے دارالحکومت جارج ٹاؤن میں ہسپتال میں داخل تھے۔ خاکسار ان کی عیادت کے لیے گیا۔ جارج ٹاؤن سمندر میں ایک جزیرے کی صورت میں ہے۔ میرے ساتھ قدح ریاست کی مقامی اسمبلی کے رکن جناب ازہری عبدالرزاق اور شیخ عبدالرحیم بھی تھے۔ ہم دونوں گاڑی میں تھے۔ جارج ٹاؤن جانے کے لیے ہم گاڑی سمیت ایک فیری پر چڑھ گئے۔ فیری کے اسٹاف کا ایک آدمی ازہری صاحب کی طرف بڑھا اور دونوں بغل گیر ہوئے۔ ازھری صاحب نے میرا تعارف کرایا۔ وہ مجھے بھی لپک کر ملا اور پھر کسی تمہید کے بغیر کہنے لگا۔

"میرے پاس مولانا مودودی کی صرف ایک چھوٹی سی کتاب "اسلام کا نظام حیات" ہے۔ میں اس کا بار بار مطالعہ کر چکا ہوں۔ یہاں تک کہ مجھے حفظ ہو گئی ہے۔ مجھے مولانا کی مزید کتب کی ضرورت ہے۔ میں اور میرے متعدد ساتھی ان کتابوں کا بہت شوق رکھتے ہیں"۔

اس نے مزید بتایا کہ اس جہاز میں ہمارے پاس اسلامی کتابوں کا مختصر سا ذخیرہ ہے۔ جہاز سمندر میں چل رہا ہوتا ہے اور ہم لٹریچر کا مطالعہ کر رہے ہوتے ہیں۔

۹ ــــ کوالالمپور میں ہم پستاک اسلام (یعنی اسلامک سنٹر) میں منعقد ہونے والے اسلامک کلچرل سیمینار میں شریک ہوئے۔ پروگرام کے اختتام پر جب ہال سے باہر نکل کر آئے تو کوالالمپور کی عالمی اسلامی یونیورسٹی کے چند اساتذہ سے ملاقات ہوئی۔ ان میں سے ایک صاحب نے مولانا مودودی کا نام زبان پر آتے ہی کہا "میں تو ان کا پرستار ہوں"۔ اس جملے نے نہ صرف مزید گفتگو کا دروازہ کھول دیا بلکہ محبت واخوت کی مہک بھی فضا میں بکھیر دی۔ گفتگو کے نتیجے میں ہمیں معلوم ہوا کہ اس یونیورسٹی میں طلبہ کی اسلامی تربیت کا عمدہ نظام ہے۔ اس پورے پروگرام کے انچارج ایک ایسے صاحب ہیں جنہیں مولانا مودودی کا عاشق کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

۱ ــــ سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس صدی کی پہلی چوتھائی میں اپنی انقلابی دعوت کا آغاز کیا

تھا۔ اسی زمانے میں (۱۹۲۸ء) امام حسن البنا رحمہ اللہ نے اخوان المسلمون کی داغ بیل ڈالی۔ پچاس کے عشرے میں دونوں تحریکوں کے مابین قرب پیدا ہوگیا۔ دونوں تحریکیں دعوت و مقصد کے لحاظ سے یکساں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کے کام میں آزمائش وابتلاء کے باوجود ایسی برکت پیدا کر دی کہ پوری دنیا میں ان کی آواز پھیل گئی۔ اور اب یہ دونوں تحریکیں ایک ہی عالمی تحریک کی شکل اختیار کر چکی ہیں جس نے دور حاضر کی مادہ پرستانہ تہذیب کو چیلنج کر رکھا ہے۔ مادہ پرستانہ تہذیب اپنی ترکیب وساخت کی وجہ سے اپنے ہی ہاتھوں زوال کا شکار ہو رہی ہے۔ اور انسانیت کے لیے مستقبل میں اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہوگا کہ وہ اسلامی تہذیب کی طرف رجوع کرے۔

تحریک اسلامی نے اب تک جو کامیابی حاصل کی ہے اسے ہم خلاصے کے طور پر مندرجہ ذیل نکات میں بیان کر سکتے ہیں۔

۱ ــــ اس نے اسلام کے اصل اور جامع تصور کو زندہ کیا ہے۔ پچھلی کئی صدیوں سے اسلام زندگی کا ایک محدود مذہب بن کر رہ گیا تھا۔ چند مذہبی اعمال ومظاہر سے آگے اس کی رسائی نہ تھی۔ اسلامی تحریک نے کتاب وسنّت کی تعلیم زندہ کر کے اسلام کو ایک جاندار، زندگی کے ہر پہلو میں آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے والا اور انسانیت کی قیادت کرنے والا دین بنا دیا۔ اور یہ واضح کر دیا کہ اسلام اللہ کی زمین سے انسان کی خدائی کو مٹا کر اللہ کی حاکمیت قائم کرنے کے لیے آیا ہے۔ اسلام کا یہ ہمہ گیر تصوّر اب تمام دنیا میں پھیل چکا ہے۔

۲ ــــ اسلامی تحریک نے نوجوان نسل کو مغربی تہذیب کی گرویدگی سے نکال کر اسلامی تہذیب کا نہ صرف شیفتہ بنا دیا ہے، بلکہ اس کے دل میں مغربی تہذیب کے فاسد پہلوؤں سے نفرت اور اسلامی تہذیب پر فخر واعتماد پیدا کر دیا ہے۔

۳ ــــ ایک ایسی نئی نسل جنم دے دی ہے جو جذبۂ جہاد سے سرشار ہے۔ جسے زندگی سے

نہیں موت سے محبّت ہے۔ جو دنیا کو بدل دینے کا عزم رکھتی ہے۔ جس کی نظر میں اللہ ربّ العالمین کے سوا اس کائنات میں کوئی سپر طاقت نہیں ہے۔ جو طاغوتی طاقتوں کو میدان زندگی سے ہٹاکر خدا پرست، عدل گستر، انسانیت دوست اور پاکیزہ سرشت انسانوں کے ہاتھ میں زمام قیادت دینا چاہتی ہے۔ اس کی روح میں جمود نہیں حرکت ہے سکون نہیں بے تابی ہے۔ حالات سے ہم آہنگی کے جذبات نہیں بیزاری کے جذبات ہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
دے کے احساس زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے
موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رخ دوست
زندگی تیرے لیے اور بھی دشوار کرے
فتنۂ ملّت بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

افغانستان کی وادیوں میں برپا ہونے والا، جہاد اسلامی تحریک ہی کا کرشمہ ہے۔ اس جہاد میں اسلامی تحریک نے دنیا کے سامنے قرآن کا یہ اصول ایک بار پھر درست ثابت کر دیا ہے کہ ایمان کی طاقت دنیا کی مادی طاقت سے بالاتر ہے۔ دنیا کے مادہ پرستانہ دانشور اس اصول کے علمبردار رہے ہیں کہ "بقا طاقتور کے لیے ہے۔" مگر مجاہدین افغانستان نے اس اصول کے پرخچے اڑا کر ثابت کر دیا ہے کہ بقاء طاقتور کے لیے نہیں بلکہ مومن صادق کے لیے ہے۔ فلپائن کا مورو اسلامک فرنٹ، فلسطین کی نئی تحریک جہاد، اسی طرح پٹانی، اری ٹیریا اور اراکان (برما) وغیرہ کی آزادی کی تحریکیں اب

شاگردان مودودی وحسن البنا کے ہاتھوں میں ہیں اور دنیا وہ دن جلد دیکھ لے گی جب یہ تحریکیں منزل مقصود تک پہنچ چکی ہوں گی۔

سیاسی میدان میں اسلامی تحریک مسلسل پیش قدمی کر رہی ہے۔ اخوان المسلمون مصر، مصر کی پارلیمنٹ میں ۵۰ کی تعداد میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک ہی آواز بلند کر رہے ہیں کہ ملک میں خدا کی شریعت کو نافذ کیا جائے۔ ان کی آواز گو نحیف ہے، مگر حکمراں اس سے لرزا براندام ہیں۔ سوڈان میں اسلامی تحریک ملک کے پڑھے لکھے طبقے کی نمائندہ سمجھی جاتی ہے۔ اور وہ امور سلطنت میں دخیل ہو چکی ہے۔ تیونس میں اسلامی تحریک کے نوجوانوں نے ہی جان کے نذرانے پیش کر کے بورقیبہ اور اس کی لادین سیاست کا بت پاش پاش کیا۔ مراکش کی جماعت الشبیبہ الاسلامیہ (ینگ مسلم) اور الجزائر کی جمعیت ارشاد واصلاح نوجوانوں کا مرکز ومحور بنتی جا رہی ہیں۔

ترکی میں ملّی رفاہ پارٹی نے ملک میں اسلامی بیداری کی عظیم الشان رو برپا کر رکھی ہے، مگر مصطفےٰ کمال پاشا کی دشمن دین پالیسی کے علمبردار چند جرنیل یہودیوں کی پشت پناہی سے بار بار رکاوٹیں کھڑی کر رہے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ترک نوجوان آخر کار ایک ایسا سیلاب بن کر اٹھیں گے جو کمالیت کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے جائے گا۔

ملائشیا کی اسلامی پارٹی ملائشیا میں اسلامی انقلاب کی آواز ہے۔ ملائشیا کی ریاستوں میں سے ترنگانو، کلنتن، قدح، برلیس جوہور اور پینانگ اس کا اصل BASE ہیں۔ دوسری ریاستوں میں بھی اس کی دعوت پھیل رہی ہے۔ مولانا مودودی کا لٹریچر ان کی فکری رہنمائی کر رہا ہے۔ اور نئے قافلہ سالاروں کی قیادت میں یہ پارٹی تازہ ولولوں کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔

خلیج عربی کی طرف آئیں تو ہمیں یہ صاف محسوس ہوتا ہے کہ اسلامی تحریک حالات ومشکلات کے باوجود مستقبل کی قوت بنتی جا رہی ہے۔ مکتبوں میں مختلف موضوعات پر

اسلامی لٹریچر کی بھرمار اس امر کی غمازی کر رہی ہے کہ سوچ کس رخ پر جا رہی ہے۔ کویت اور شمالی یمن کے بارے میں برملا کہا جا سکتا ہے کہ یہ اسلامی تحریک کی روح بے تاب بن چکے ہیں۔

یمن کے حالیہ انتخاب میں جو جولائی ۱۹۸۸ء میں منعقد ہوئے ہیں اسلامی تحریک نے ۱۲۸ نشستوں میں سے ۶۵ نشستیں جیتی ہیں۔

موریطانیہ
کا
مولانا مودودیؒ کو خراجِ عقیدت

موریطانیہ (جس کا قدیم نام شنقیط ہے) مغربی افریقہ میں مراکش کے جنوب میں بحرظلمات کے کنارے واقع ہے۔ یہ ملک بھی فرانسیسی استعمار کے زیر تسلط رہا ہے۔ ۱۹۶۰ء میں آزاد ہوا۔ وہاں بھی آزادی کے بعد سامراج کے ایجنٹوں، کمیونسٹوں اور اسلام پسندوں کے مابین فکری اور سیاسی جنگ برپا ہے۔ اقامت دین کے لیے وہاں جو تنظیمیں کام کر رہی ہیں ان میں نمایاں ترجمعیت ثقافت اسلامیہ ہے۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء کو مولانا مودودیؒ کی امریکہ میں وفات کی خبر نواکشوط (موریطانیہ کے دارالحکومت) پہنچی، تو غم والم کی ایک لہر دوڑ گئی۔ چنانچہ اس خبر کے دو روز بعد جمعیت ثقافت اسلامیہ کے زیر انتظام غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی اور پھر مختلف علماء اور زعماء نے تعزیتی تقریریں کیں۔ اس موقع پر جمعیت ثقافت اسلامیہ کے اسسٹنٹ سکریٹری جنرل شیخ ابن عمر لی نے مولانا مرحوم کو ایک نظم کی صورت میں خراج عقیدت پیش کیا۔ یہ پوری نظم درج ذیل ہے:-

فقیدِ اسلام مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی وفاتِ حسرت آیات کے موقع پر

ماذا تعانی دوحة الایمان
ماذا اختفی عن ساحة المیدان
ماذا جری لنهارنا حتی تسا
وت قوة الابصار بالعمیان
هل کان ذلك من کسوف فی السماء
ام من قذی جرحت به العینان

شجرِ ایمان پر کیا آندھی چل گئی ہے۔ میدان وفا سے کون بطل روپوش ہوگیا ہے۔
روزِ روشن پر یہ کیا گزر گئی ہے کہ آنکھیں بصارت کے باوجود کچھ نہیں دیکھ رہی ہیں۔
کیا آسمان پر سورج گرہن ہوگیا ہے یا خود آنکھیں کسی تکلیف دہ چیز سے زخم خوردہ ہیں۔

ام هل تبدل لیلنا بنهاره
فتوقفت عملیة الدوران
ولم یك کل هذا واقعا
للناس لولا هزة الوجدان

یا دن رات میں تبدیل ہوگیا ہے اور گردشِ دوراں رک گئی ہے۔
نہیں نہیں، کوئی بات ان میں واقع نہیں ہوئی بلکہ آج انسان خود اپنے ہی ہوش کھو بیٹھے ہیں۔

بل کیف لایقع الخبال لأمة
فقد دعامة صرحها الربانی
حقًا خلت دنیا السعادة من حمی
قد کان یحمیها أبونا الحانی

آج امت پر یہ برگشتگی کیوں نہ طاری ہو کہ امّت کے قصرِ دین کا ستون گر گیا ہے۔
دنیائے سعادت اپنی دینی پناہ گاہ سے محروم ہوگئی ہے جس کا رکھوالا ہمارا شفیق و

رحیم باپ تھا۔

واسیك یا دُنیا الهدی تعزیة
من خالِص القلب الجریح الفانی

اے راہِ حق کے مسافرو! تعزیت قبول کرو، ایک مجروح اور فانی دل کی مخلصانہ تعزیت۔

اذهبت عنا یا أبا الاعلی الذی
نشر الهدایة مِن هدی القرآن

اے ابوالاعلیٰ کیا فی الواقع تو ہمیں چھوڑ گیا ہے۔ تو نے ہی ہمیں قرآنی تعلیمات کے ذریعے راہِ راست بتائی۔

ورفعت رایته التی اهتزت بها
فی الأرض کل معاقل الطغیان

تو نے قرآن کا پرچم اس انداز سے بلند کیا کہ دنیا کے اندر تمام طاغوتی قلعوں میں تہلکہ برپا ہوگیا۔

أترکتنا یا سیّدی فی وحشة
ودخلت فسحة جنة الرضوان

یا سیّدی، کیا تو ہمیں وحشت و تاریکی میں چھوڑ گیا ہے اور جنّتِ رضوان کی پہنائیوں میں چلا گیا ہے۔

أترکتنا بین الذئاب تلوکنا
بتمائی قاصیهمو والدانی

کیا تو ہمیں ان بھیڑیوں کے اندر چھوڑ گیا ہے جو ہمیں بھنبھوڑ رہے ہیں۔ مشرق و مغرب کے بھیڑیے جو ہمارے خلاف گٹھ جوڑ کئے ہوئے ہیں۔

رحماك ربی انه العبد الذی
خاض الحیاة مکافح الشیطان

رحمت کی برسات ہو اے میرے رب، اس بندے پر جس نے ساری زندگی شیطان کے خلاف جنگ کی۔

لم یرض یوما بالرضوخ لباطل
فی ارضه وبقیة البلدات

جو ایک لمحہ بھی باطل کے سامنے نہیں جھکا، نہ اپنے ملک میں اور نہ کسی دوسرے ملک میں۔

لم يعرف اليأس السبيل لقلبه
لم ينخذل لتزايد العدوان

مایوسی نے کبھی اس کے دل میں راہ نہیں پائی اور پے درپے ظلم وجور کے باوجود وہ جھکا، نہ پیچھے ہٹا۔

كلا ولم يعط الولاء لكافر
ابدا وللجاهليين الجانى

اس نے کسی منکر حق کے ساتھ کوئی نرمی نہیں برتی۔ وہ جاہلیت پرستوں کے لیے تیغ بے نیام تھا۔

كلا ولم يشغله عن ايمانه
امر خطير او حقير الشان

جب ایمان کا تقاضا اس کے سامنے آگیا تو اس نے کسی بڑی یا چھوٹی رکاوٹ کی پروا نہیں کی۔

كلا ولم يقض الحياة مغافلا
بل ظل يحسب عمره بثوان

اس نے زندگی کا ایک لمحہ بھی غفلت میں نہیں گزارا، بلکہ وہ اپنی عمر کے ایک ایک ثانیہ کا حساب رکھتا رہا۔

فقضى من العمر المديد مجاهدا
بمؤلفات فى حمى الفرقان

اس نے اپنی عمر طویل جہاد میں بسر کی، ایسی تحریروں کے ساتھ جو نور قرآن سے منور تھیں۔

وقذائف العلم الصحيح توجهت
ضد الطغاة محاربى الاديان

اس نے علم حق کے گولے تیار کیے، طاغوتی طاقتوں اور مذہب دشمنوں کی سرکوبی کے لیے۔

هذا ولم تك للحياة مزية
الا بنهضة قيمة الايمان

بے شک انسانی زندگی کو صرف اس وقت امتیازی شان حاصل ہوتی ہے جب اس کے اندر ایمانی قدریں ابھر کر آجائیں۔

حقا رحلت وقد ثبت يمناك فى
ارض الرجال جماعة الايمان

آپ کوچ کر گئے ہیں اس حال میں کہ آپ کے مبارک ہاتھوں نے مردان کار کی سرزمین میں اہل ایمان کا گروہ چاروں طرف پھیلا دیا ہے۔

علمتهم ان الجهاد أمانة
وعبادة وكرامة الشجعان

آپ نے ان اہل ایمان کو یہ درس دیا کہ جہاد امانت ہے اور عبادت بھی اور بہادروں کے لیے عزت وآبرو بھی۔

علمتهم ان الحياة محبة
واخوة متراصة البنيان

آپ نے انہیں بتایا کہ زندگی نام ہے محبت کا اور ایسی اخوت کا جس کی مثال سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی ہو۔

واراك قد ارسيت كل دعائم
الاسلام والايمان والاحسان

میں دیکھتا ہوں کہ آپ نے اسلام، ایمان اور احسان کی بنیادیں استوار کر دی ہیں۔

فشرحت دستور الحياة موضحا
آياته فى حكمة وبيان

آپ نے دستور حیات کو واضح کر کے رکھ دیا اور اس میں حکمت وبیان کے جو جوہر چھپے ہوئے تھے واضح کر دیے۔

وفضحت زيف حضارة الغرب التى
لعبت بعقل الجاهل الشهوانى

تہذیب مغرب کی جھوٹی چمک دمک کا پول آپ نے کھول دیا جو نادان ونفس پرست انسان کی عقل کو اپنا کھلونا بنا چکی تھی۔

فدعوت نحو حضارة الايمان اذ
منها استفاد العرب فى العمران

آپ نے ایمانی تہذیب کی دعوت پیش کی۔ اسی تہذیب کی بنا پر عرب بدوؤں نے زندگی کو رونق بخشی۔

ذهب الامام مخلفاً آثاره
تستهدف التجميع للاخوان

امام مودودی اپنے پیچھے وہ ورثہ چھوڑ گئے ہیں
جس کا ہدف راہ حق کے بھائیوں کو باہم
ملا کر رکھ دینا ہے۔

وانا لمست جهود خير في قرى
ايران؛ وفي شعب باكستان

میں نے امام کی اچھی کوششوں کے اثرات
محسوس کئے ہیں۔ ایران کی بستیوں میں بھی
اور پاکستان کے عوام میں بھی۔

وقوى العمالة حاولت اخضاعه
كي يرجحوا في كفة الميزان

شیطان کے آلہ کاروں نے ان کو سرنگوں کرنے
کی کوشش کی تاکہ ان کا پلڑا بھاری ہو جائے۔

لكنا الايمان اعلى صوته
لا للعمالة لا لكل جبان

مگر امام کی ایمان سے لبریز آواز گونجی:
"شیطانی کارندوں کی نہیں چلے گی۔ ہم کسی
بزدل کے آگے خم نہیں ہوں گے۔"

صوت الامانة في نداء دائما
لا ولا لطغمة الخذلان

یہ آوازۂ ایمان مسلسل اٹھتا رہا اور پکارتا رہا
کہ پست ہمت گروہ سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔

الله اكبر عزة وجلالة
والله اكبر قوة السلطان

بس خدا کی ذات ہی بزرگ و برتر اور جلالت
و عظمت کی سزاوار ہے۔ اللہ ہی سب سے
بڑا اور اقتدار اعلیٰ کا مالک ہے۔

ان الصلوة على الرسول المصطفیٰ
تعني امتثال اوامر الرحمان

رسول مصطفیٰ پر صلوۃ و سلام ہو۔ اور اس
کا مطلب ہے رحمان کے احکام کی پیروی،

رباه صل على النبي وآله
وحماة بيضة ديننا الرحماني

اے پروردگار! نبی کریم پر اور آپ کی آل
پر درود ہو اور ان نیک بندوں پر بھی جو
رحمٰن کے بھیجے ہوئے دین کے محافظ ہیں۔

اسلامی بنکوں کی عالمی تحریک

اسلامی بنکوں کے قیام
— اور —
ان کے مستقبل کا ایک جائزہ[۱]

دور حاضر میں تحریک اسلامی کی جدوجہد کے نتیجے میں جہاں دوسرے بعض پہلوؤں میں اسلامی زندگی کے خدوخال ابھر رہے ہیں وہاں معاشی میدان میں بھی اس امر کی جانب توجہ مبذول ہو رہی ہے کہ کس طرح موجودہ معاشی زندگی کو سود سے پاک کر کے اسلام کے پیش کردہ متوازن و پاکیزہ اصولوں پر اسے استوار کیا جائے۔ اسی احساس کے نتیجے میں مسلمانوں میں سے کچھ صاحب درد حضرات نے بنکنگ کو اسلامی بنیادوں پر قائم کرنے کی تحریک چلا رکھی ہے۔ بلکہ اس سلسلے میں کچھ حوصلہ افزا پیش رفت بھی کی ہے۔ یہ کوشش ابھی ابتدائی مراحل سے گزر رہی ہے۔ لیکن ہمیں امید ہے کہ جس منظم اور حکیمانہ طریقے سے یہ کوشش سرانجام دی جا رہی ہے وہ ضرور اپنے نتیجہ خیز اثرات پیدا کرے گی۔ دنیا کے اندر اسلامی تحریک کی کامیابی کی بنیادی شرائط میں سے ایک نہایت اہم شرط یہ ہے کہ موجودہ معاشی نظام کے مقابلے میں وہ انسانیت کے سامنے عدل و توازن پر مبنی معاشی نظام پیش کرے اور یہ تب ہی ہو سکتا

---

[۱] یہ مضمون ماہنامہ ترجمان القرآن اکتوبر ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا تھا۔ اب اسلامی بنکوں کے قیام کی تحریک اور آگے بڑھ چکی ہیں۔ لکسمبرگ میں، بنگلہ دیش میں، ملائشیا میں، ڈنمارک میں، ترکی میں اور سوئیزرلینڈ میں (بنک آف تقویٰ کے نام سے) اسلامی بنک قائم ہو چکے ہیں۔ (خ۔ ح)

ہے کہ موجودہ سودی معاشی نظام کے بجائے دنیا کو غیر سودی معاشی نظام سے روشناس کرایا جائے۔

بہرحال یہ کسی قدر اطمینان اور خوشی کی بات ہے کہ غیر سودی بنکاری اور غیر سودی تجارت کی تحریک بروئے کار آچکی ہے۔ اور وہ نہ صرف روز افزوں ترقی کر رہی ہے بلکہ اپنے راستے میں حائل مشکلات کا ازالہ کرنے کی بھی ٹھوس تجاویز سامنے لا رہی ہے۔ بنکاری اور تجارت کا سارا نظام اس وقت سود خوار طبقے کے ہاتھ میں ہے۔ اس نظام کے بانی گو یہودی اور ہندو مہاجن ہیں، لیکن اب پورا عیسائی مغرب اس پر عمل پیرا ہے اور جدید اقتصادی نظام کی تو گویا ریڑھ کی ہڈی سود ہے ستم یہ ہے کہ اب خود مسلمانوں کے اندر بھی یہ نظام اتنا رچ بس چکا ہے کہ جونہی غیر سودی معاشی نظام کا تجربہ کرنے کی کوئی آواز اٹھتی ہے، سود خوار طبقے اس کی مخالفت کرتے اور اسے ناقابل عمل قرار دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں۔ لیکن چونکہ ہمیشہ انسانی تاریخ میں جہد للبقاء کی جنگ لڑی گئی ہے اور اس جنگ میں ہمیشہ بقا اسے نصیب ہوئی ہے جو انفع اور اصلح تھا اس لیے کوئی وجہ نہیں ہے کہ سودی نظام اور غیر سودی نظام کی باہمی کشمکش میں آخرکار دنیا غیر سودی نظام کو قبول نہ کرے، جو ظاہر ہے کہ سودی نظام کے مقابلے میں انفع اور اصلح ہے۔

پہلا تجربہ

غیر سودی بنکاری کا سب سے پہلا تجربہ سوشل سیکورٹی بنک آف مصر کی شکل میں ہوا۔ اس کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ پہلی اسلامی سربراہی کانفرنس منعقدہ رباط ۱۹۶۹ء کے فیصلے کے تحت جب جدہ میں اسلامی سیکرٹریٹ کا قیام عمل میں لایا گیا تو اس کے اندر ایک شعبہ اس غرض کے لیے کھولا گیا کہ وہ غیر سودی بنکاری کے امکانات و مسائل کا مطالعہ کرے۔ چند مصری ماہرین نے اس موضوع پر خصوصی توجہ دی، اور انہوں نے "مصری مطالعہ برائے اسلامی بنکاری" کے نام سے ایک جامع دستاویز مرتب کی۔ اصل تجویز تو یہ تھی کہ اسلامی سیکرٹریٹ کی سرپرستی

میں ایک اسلامی بنک کھولا جائے گا، مگر مصری ماہرین نے عملی اقدام کر ڈالا اور قاہرہ میں ۱۹۷۲ء میں غیر سودی بنیادوں پر سوشل سیکورٹی بنک قائم کر دیا۔ آخرکار شاہ فیصل مرحوم کی خصوصی توجہ کی بدولت ۱۹۷۵ء میں جدہ میں دوسرا غیر سودی بنک "اسلامی ترقیاتی بنک" کے نام سے کھولا گیا۔ یہ بنک مسلم حکومتوں کے اشتراک و تعاون سے قائم ہوا تھا۔ اور اس سے استفادہ کرنے والے بھی افراد نہیں بلکہ حکومتیں ہی ہیں۔ لیکن چونکہ عالم اسلامی کی سطح پر غیر سودی بنکاری کے تجربے کا آغاز ہو رہا تھا اس لیے اس کی متعدد حلقوں کی طرف سے شدید مزاحمت کی گئی۔

سعودی عرب کے ایک اسلام پسند مخلص تاجر شیخ احمد صلاح جمجوم جو اس میدان میں شروع سے بڑی سرگرمی سے کام لے رہے ہیں، اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

> "اسلامی بنکوں کے قیام کی تاریخ میں ہرگز فراموش نہیں کر سکتا۔ اس تاریخ کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب مرحوم شاہ فیصل نے اسلامی بنک کے قیام کا مصمم ارادہ کر لیا۔ مجھے یاد ہے کہ جب جدہ میں اسلامی کانفرنس کے اجلاس ختم ہوئے تو جدہ میں سودی بنکوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی بھرمار ہونے لگی اور وہ شب و روز اس امر کے لیے کوشش کرنے لگے کہ اسلامی بنک کاری کی مساعی کو پراگندہ کر دیں۔ اس طرح کا خیال رکھنے والوں کو الجھا دیں اور اسلامی بنک کی کامیابی کے بارے میں طرح طرح کے شکوک و شبہات اور وسوسے پھیلائیں۔"

اسلامی ترقیاتی بنک کے قیام کی قرارداد صادر ہونے کے بعد فرانس کے بعض اخبارات اور رسائل نے یہاں تک لکھا کہ: "اگر اسلامی بنک اپنی صحیح شکل میں قائم ہو گیا تو یہ مغرب کے لیے ہائیڈروجن بم سے بھی زیادہ خطرناک ہو گا۔" یہ لوگ درحقیقت دین کے دشمن ہیں۔ یہ بڑی سرگرمی سے اپنا زہریلا پروپیگنڈہ کرتے رہے۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ وہ اپنے عزائم میں پوری

طرح کامیاب ہو گئے، لیکن وہ اس میں ضرور کامیاب ہو گئے کہ جس مقصد کے لیے اسلامی ترقیاتی بنک قائم کیا گیا تھا اسے بڑی حد تک مجروح کر دیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس بنک نے کم از کم وقت میں جو مہمات و فرائض انجام دینے تھے اور جو نشو و نما حاصل کرنی تھی وہ نہ ہو سکی۔"

(روزنامہ المدینہ۔ جدہ شمارہ ۳۱ مارچ ۱۹۸۱ء)

ایک طرف سود خوار مہاجنوں کا گروہ ہے جو بالفعل دنیا کے اندر سرمایہ کاری کے نظام پر چھایا ہوا ہے اور وہ اپنے ذوق سود خوری سے ہرگز دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہے، مگر دوسری طرف مسلمانوں کے اندر ایسے خدا کے بندے بھی بکثرت موجود ہیں جو صاحب ثروت ہونے کے ساتھ ساتھ یہ چاہتے ہیں کہ سود کی لعنت سے محفوظ رہیں۔ اور سود کی شکل میں خدا اور رسول کے خلاف جو جنگ برپا ہے اس میں شریک نہ رہیں۔ چنانچہ اسی خواہش کی بدولت اسلامی ترقیاتی بنک وجود میں آیا۔ اور پھر مسلم ماہرین اقتصاد کی لگاتار کوششوں کے بل پر مسلم ممالک کے اندر جگہ جگہ اسلامی بنکوں کے اجراء کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

تین مزید غیر سودی بنک

۱۹۷۵ء ہی میں دوبئی میں وہاں کے ایک مشہور تاجر جناب احمد سعید لوتاہ نے اپنے کاروباری شرکاء کے ساتھ مل کر "اسلامی بنک آف دوبئی" کے قیام کا اعلان کر دیا۔ اس کا ابتدائی سرمایہ ۵۰ ملین درہم تھا جو ایک لاکھ کھاتوں میں تقسیم کیا گیا متحدہ عرب امارات، قطر اور کویت کے مسلمان سرمایہ داروں نے اس بنک کی خوب حوصلہ افزائی کی۔ اور اب یہ بنک مختلف تجرباتی ادوار سے گزر کر اپنی مضبوط بنیادوں پر قائم ہو چکا ہے۔

پھر ایک سال کے وقفے سے جب ۱۹۷۷ء کا آغاز ہوا تو اسلامی بنکوں کے قیام کا

فرض سعودی عرب کے ایک نیک طینت شہزادے شاہ فیصل مرحوم کے لڑکے امیر محمد الفیصل نے سنبھال لیا۔ چنانچہ ۱۹۷۷ء میں ان کی اور ان کے چند صحیح الفکر رفقاء کی مساعی سے ایک اسلامی بنک قاہرہ میں "فیصل اسلامی بنک آف مصر" کے نام سے اور دوسرا اسلامی بنک خرطوم میں "فیصل اسلامی بنک آف سوڈان" کے نام سے جاری کر دیا گیا مصر کا فیصل اسلامی بنک آٹھ ملین ڈالر کے سرمائے سے قائم ہوا۔ اس سرمائے کو ۸۰ ہزار حصص میں تقسیم کیا گیا۔ اس میں ۵۱ فیصد حصے مصریوں کے لیے اور ۴۹ فیصد حصے سعودی شہریوں کی ملکیت قرار پائے۔ اس کے مقابلے میں سوڈان کے فیصل اسلامی بنک کا ابتدائی سرمایہ دس ملین سوڈانی پاؤنڈ تھا۔ اور یہ سرمایہ ایک ملین حصص میں تقسیم ہوا غیر سوڈانی مسلمانوں کو بھی اس کے حصص خریدنے کی اجازت دی گئی۔ چنانچہ اس بنک کے چالیس فیصد حصص سوڈانیوں کے لیے۔ چالیس فیصد سعودی باشندوں کے لیے اور بیس فیصد دیگر مسلمانوں کے لیے مخصوص کر دیے گئے۔

سوڈانی بنک کا پس منظر

یہ دونوں بنک بڑی کامیابی سے چل رہے ہیں فیصل اسلامی بنک آف سوڈان کی خود سوڈان کے اندر تین مزید شاخیں کھل چکی ہیں۔ یہ بنک صنعت و حرفت کے میدان میں اصول شراکت کے تحت سرمایہ کاری کر رہا ہے۔ سوڈان کی ام درمان اسلامی یونیورسٹی کے تحت فیکلٹی آف سوشل سائنسز کے ڈین ڈاکٹر حامد یوسف العالم سوڈان میں اسلامی بنک کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"اسلام کو ایک جامع نظام زندگی کی حیثیت سے روبکار لانے کے لیے جب خواہش ابھری تو اس کے ساتھ ہی اسلامی بنکوں کے قیام کا نظریہ ابھرا۔ چنانچہ ۱۹۶۷ء کی بات ہے کہ سوڈان کی ام درمان اسلامی یونیورسٹی میں اسلامی اقتصادیات کے لیے ایک مستقل شعبہ قائم کر دیا گیا، اور خود یونیورسٹی

کی طرف سے یہ نظریہ پیش کیا گیا کہ ام درمان شہر میں ایک اسلامی بنک بھی کھولا جائے۔ ڈاکٹر احمد النجار، جو اب اسلامی بنکوں کے بین الاقوامی ادارے کے ڈائرکٹر منتخب کئے جا چکے ہیں، شعبہ اقتصادیات کے سربراہ تھے ان کی کوششیں اس سلسلے میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ شعبہ اقتصادیات سے کئی ایسے نوجوان فارغ ہو کر نکلے جو اسلامی اقتصادیات اور جدید اقتصادی نظام دونوں میں مہارت حاصل کر چکے تھے۔ ۱۹۷۵ء میں فیصل اسلامی بنک خرطوم میں کھول دیا گیا۔ اس بنک کے معاملات کی نگرانی کے لیے ایک شرعی بورڈ قائم کیا گیا جس کا میں بھی (یعنی ڈاکٹر حامد یوسف العالم) ایک رکن ہوں۔ بنک کے ملازمین کی طرف سے ہمیں متعدد مشکلات کا سامنا ہوا۔ کیونکہ وہ فقہ اسلامی کے احکام اور اصطلاحوں سے نابلد تھے۔ چنانچہ ہم نے انہیں شریعت کے احکام وتصورات اور اسلامی فقہ کی اصطلاحات سے روشناس کرانے کے لیے کئی تربیتی کورس جاری کیے جو ان لوگوں کے لیے بڑے مفید ثابت ہوئے اور ان کے اندر یہ صلاحیت پیدا ہو گئی کہ شرعی احکام کو وہ کس طرح بنک کے مختلف کاموں پر منطبق کریں۔" ـــــ (المدینہ۔ جدہ۔ شمارہ ۳۱ مارچ ۱۹۸۱ء)

ڈاکٹر یوسف حامد العالم ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز ام درمان یونیورسٹی محض ایک روایتی مسلمان ہی نہیں ہیں بلکہ وہ سوڈان کی اسلامی تحریک کے اہم ستون ہیں۔ اسلامی فقہ پر گہری نظر رکھتے ہیں، اور سوڈان کے اندر اسلامی نظام کے قیام میں نہایت موثر کردار ادا کر رہے ہیں۔

حوصلہ افزا نتائج

فیصل اسلامی بنک سوڈان کی تازہ ترین رپورٹ جو عرب اخبارات میں چھپی ہے

اس میں بنک کی ترقی اور کامیابی کا جو حجم پیش کیا گیا ہے وہ بنکاری کی دنیا میں ایک حیرت انگیز نمونہ ہے۔ ہفت روزہ الدعوۃ ریاض شمارہ یکم جون ۱۹۸۱ء کے مطابق گزشتہ سال اور سال رواں کے اندر بنک کے کاروبار کا دائرہ ایک ہزار دو سو فیصد کے حساب سے پھیلا۔ اصل سرمایہ پر جو منافع ہوا وہ ۴۵ فی صد ہے۔ یہ تمام منافع کھاتے داروں میں تقسیم نہیں کیا گیا، بلکہ اس کا صرف ۲۰ فی صد تقسیم کیا گیا ہے۔ اس طرح سے بنک کا سرمایہ پانچ گنا بڑھ گیا۔ اور سرکاری بنکوں کے بعد فیصل اسلامی بنک سوڈان کا سب سے بڑا بنک بن گیا ہے۔ سوڈانی اقتصادیات کو بھی اس بنک کے ذریعے تجارت اور کاروبار کے میدان میں بڑی تقویت پہنچی ہے۔

قاہرہ کے فیصل اسلامی بنک نے بھی ۱۹۸۰ء ـــــ ۱۹۸۱ء کی جو رپورٹ شائع کی ہے اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مصری مسلمانوں کے اندر اس کی شہرت ومقبولیت روزافزوں ہے۔ قاہرہ برانچ کی رپورٹ کے بموجب سرمایہ کاری کے کھاتے میں سالانہ آمدنی ۱۲،۰۳ فیصد ہوئی۔ مالی ذرائع میں اضافہ ۳۴۵ فی صد ہوا۔ نئے حسابات کا تناسب ۸۲۲ فیصد رہا۔ ۱۹۸۱ء میں اسیوط، اسکندریہ اور ازہر میں نئی برانچیں کھولی جائیں گی۔ اگلے سال مزید تین برانچیں طنطا، سویز اور مصر الجدیدہ میں قائم کی جائیں گی۔ بنک کی اس رپورٹ پر ماہرین نے اطمینان کا اظہار کیا ہے۔

کویت کا اسلامی بنک

۱۹۷۷ء ہی کی بات ہے کہ کویت کے مسلمان تاجروں نے بھی اس میدان میں قدم رکھ دیا۔ یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ کویت مالدار ترین عرب ملک ہے۔ اور کویت ہو یا دوسرے خوشحال عرب ممالک، سب کا بیشتر سرمایہ یورپی اور امریکی بنکوں کی طرف رخ کرتا ہے۔ اور یوں مسلمانوں کے سرمائے سے یہودی اور عیسائی ادارے دنیا کے اندر سودی نظام

کے محافظ بنے ہوئے ہیں۔ کویت کی اسلامی تحریک کی تگ و دو کے نتیجے میں کویتی تاجروں کی معتد بہ تعداد نے مل کر کویت میں اسلامی بنک کی طرح ڈال دی۔ اس کا نام ہے بیت التمویل الکویتی (کویت فنانس ہاؤس) آغاز میں اس کا راس المال دس ملین کویتی دینار تھا، جسے دس ملین حصص میں بانٹ دیا گیا۔ اور ایک حصّہ کی قیمت ایک دینار رکھی گئی ان تین سالوں کے اندر کویتی فنانس ہاؤس نے جو ترقی کی ہے، وہ بھی کویت کے مسلمانوں کے لیے اچھے مستقبل کی نوید ہے۔ یہ بنک دوسرے اسلامی بنکوں کی طرح ہر نوعیت کے حسابات رکھتا ہے۔ جاری کھاتہ، بچت کھاتہ اور میعادی کھاتہ۔ تینوں کھاتوں میں اس نے بنکاری شروع کر رکھی ہے۔ بنک قرض کا لین دین کرنے کے بجائے شرکت اور مضاربت اور مرابحت کے اصولوں پر کام کرتا ہے اور خود براہ راست سرمایہ کاری بھی۔ جائدادوں کی خرید و فروخت، عمارات کی تعمیر، زرمبادلہ کی خرید و فروخت اور مالی دستاویزات کا اجراء اور لیٹر آف کریڈٹ کا اجراء اس کے کاروباری میدان ہیں۔ مشارکت، مضاربت اور مرابحت کے اسلامی اصول اس کے کاروبار کی حدود ہیں۔ اس بنک نے فقہ اسلامی کے نام سے ایک شعبہ کھول رکھا ہے اور اس کے اندر ایک نامور ازہری عالم دین کی خدمات حاصل کر رکھی ہیں جو بنک کو قدم قدم پر شرعی اصولوں کی روشنی میں مشورے دیتے ہیں۔ اور کسی ایسے غلط کاروبار سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں جس میں شریعت کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔ بنک کے چیئرمین جناب احمد البزیع الیاسین خود بھی اسلامی علوم سے واقفیت رکھتے ہیں۔ اور کویت کی اسلامی تنظیم جمعیت الاصلاح کے سکریٹری جنرل ہیں۔ یہ جمعیت کویت میں صحیح اسلامی معاشرے کے قیام اور اسلامی شریعت کے نفاذ کی علمبردار ہے۔

سال رواں میں کویتی فنانس ہاؤس نے میعادی کھاتے داروں کے لیے جس حلال منافع کا اعلان کیا ہے وہ ۲۴ فی صد ہے۔ جب کہ کویت ہی کے سودی بنکوں نے میعادی کھاتوں پر ساڑھے گیارہ فیصد سے زیادہ سود نہیں دیا۔ عوام الناس کا رجحان بھی اس بنک

کی طرف بہت بڑھ رہا ہے۔ سال رواں میں اس نے تین نئی شاخیں کھولنے کا فیصلہ کیا ہے۔ مرکزی شاخ میں عورتوں کے لیے الگ اور باپردہ شعبہ کھولا گیا ہے جہاں بنک کے تمام کاموں کے لیے خواتین مقرر کی گئی ہیں۔ یعنی حساب داں کے فرائض انجام دینے والی اور کمپیوٹر پر کام کرنے والی اور رقم کا لین دین کرنے والی سب اسلام پسند خواتین ہیں۔

اُردن کا اسلامی بنک

اگلے ہی سال یعنی ۱۹۷۸ء میں اسلامی بنک آف عمان کا قیام عمل میں آگیا۔ اور اردن کے مسلمان بھی اس مبارک قافلے میں شریک ہوگئے۔ اس بنک نے چار ملین اردنی دینار کے ابتدائی سرمائے کو چار ملین حصّوں میں تقسیم کرکے کام کا آغاز کر دیا۔ علمائے اسلام کی ایک قابل ذکر ٹیم اس کی قانونی اور شرعی پشت پناہی کر رہی ہے۔ اور ہر وہ مسلمان جو سود سے اپنا دامن پاک رکھنا چاہتا ہے سودی بنکوں کے بجائے اسلامی بنک میں سرمایہ جمع کروا رہا ہے۔ گو ملکی اور غیر ملکی سودی بنک حوصلہ شکنی اور درپردہ سازشوں میں کوئی کسر نہیں اٹھا رہے ہیں، مگر اس کے باوجود مسلم سرمائے کا بہاؤ اسلامی بنک کی طرف جاری ہے۔ علی الخصوص نوجوان طبقہ جو تیزی کے ساتھ اسلامی تحریک سے متاثر ہو رہا ہے ہر قیمت پر اسلامی بنک کو کامیاب کرنے کا عزم کئے ہوئے ہے۔

بحرین کا اِسلامی بنک

۱۹۷۹ء میں اسلامی بنک آف بحرین کے قیام کی خوشخبری پہنچی۔ اس کے قیام کے لیے بحرین کی جمعیت الاصلاح کے صدر جناب عیسیٰ بن خلیفہ کی تگ و دو خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ تاہم یہ بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ بحرین اور کویت دونوں جگہ مقامی حکومتوں نے بھی تعاون کیا ہے اور اسلامی بنکوں کو سرکاری تحفظ دے کر ان کے لیے راستہ ہموار کیا ہے۔ اسلامی بنک

آف بحرین کی تاسیس میں مقامی سرمائے کے علاوہ اسلامی ترقیاتی بنک کا تعاون بھی خوشگوار صورت میں ہوا ہے۔ یعنی یہ بنک جس نے بیس ملین بحرینی دینار کے سرمائے سے دس ملین حصص سے اپنی مہم کا افتتاح کیا ہے اس میں بنیادی سرمائے کا ۱۵ فی صد اسلامی ترقیاتی بنک نے ادا کیا ہے۔ قطر میں بھی اسلامی بنک کے اجراء کا نظریہ پایا جاتا تھا، مگر قطر کے وزیر داخلہ شیخ جاسم خلیفہ نے راقم کو بتایا کہ بعض عناصر کے افسوسناک رویے کی وجہ سے یہ اسکیم ختم کر دی گئی۔[1]

پاکستان کے بنکوں میں غیر سودی کاؤنٹر

۱۹۸۰ء کا سال پاکستان کے حصے میں آیا، اور حکومت پاکستان نے ایک فرمان کے ذریعے تمام ملکی بنکوں کے اندر غیر سودی کاؤنٹر کھول دیے۔ لیکن اسلامی بنکوں کی بہ نسبت پاکستان کا طریق کار مختلف ہے۔ پیچھے جتنے بنک ہم نے گنوائے ہیں وہ ایک الگ اور مستقل ادارے کی حیثیت سے وجود میں آئے ہیں۔ اور ان کو چلانے کے لیے بھی ہر جگہ ایسی مشینری فراہم کی جا رہی ہے جو اخلاص اور اسلامی شعور دونوں جذبوں کے ساتھ بنکاری کے امور کو سرانجام دے، مگر پاکستان نے مخلوط طریقہ اختیار کیا ہے اور پرانے سودی اداروں، سودی ماہرین اور سودی حساب دانوں کو ایک اضافی خدمت یہ بھی سپرد کر دی ہے کہ وہ ایک ہاتھ سے سودی نظام کو چلائیں اور دوسرے ہاتھ سے غیر سودی بنکاری کے تجربے کریں۔ مزید براں یہ کہ غیر سودی نظام تو نفع ونقصان کے اصولوں پر قائم ہے، مگر اس کے مقابلے میں سودی ذہن رکھنے والوں نے ساتھ ہی دفاعی بچت کے سرٹیفکیٹ جاری کرنے اور ان پر ۲۴ فی صد قطعی سود دینے کا اعلان بھی کر رکھا ہے۔ اور پروپیگنڈے کی مہم بھی چلا رکھی ہے۔ پاکستان میں اسلام کے بارے میں جو دو عملی پالیسی چل رہی ہے اس کے اثرات غیر سودی شعبے پر بھی پڑے ہیں۔ غیر سودی بنیادوں

---

[1] قطر میں اسلامی بنک قائم ہو چکا ہے اور روز افزوں ترقی پر ہے۔

پر حاصل کیے گئے سرمائے کو استعمال کرنے کا بھی جو طریق سامنے آیا ہے، وہ شکوک وشبہات سے خالی نہیں ہے۔

مزید ترقی

یہ چند اسلامی بنکوں کا ہم نے آپ کے سامنے تعارف پیش کیا ہے۔ ایک اسلامی بنک جنیوا (سوئٹزرلینڈ) میں بھی قائم ہو چکا ہے۔ اور اس وقت کارکردگی اور پیش قدمی کے لحاظ سے جو تین اسلامی بنک سرفہرست ہیں ان میں سے ایک ہے۔ یعنی فیصل اسلامی بنک سوڈان اور فیصل اسلامی بنک مصر اور تیسرا اسلامی بنک آف جنیوا۔ اسلامی بنکوں کے عالمی وفاق کے سربراہ امیر محمد الفیصل کا بیان ہے کہ عوامی پیمانے پر اسلامی بنکوں کے قیام کے لیے اب تک ۲۱ درخواستیں موصول ہو چکی ہیں۔ ان میں سے بالفعل گیارہ ایسے مالی ادارے قائم کیے جا چکے ہیں جن کی بنیاد شریعت اسلامی پر رکھی گئی ہے۔ ایک خلیج سرمایہ کاری کمپنی، دو اسلامی انشورنس کمپنیاں اور ۹ اسلامی بنک۔

اسلامی بنکوں کا بنیادی نظریہ

اسلامی بنکوں کے اندر جو بنیادی نظریہ کام کر رہا ہے وہ یہ ہے کہ یہ بنک لوگوں کو نقد سرمایہ قرض پر نہیں دیتے، جس طرح سودی بنک سود پر سرمایہ لگاتے ہیں، اور کبھی سرمائے کا سیلاب اٹھا دیتے ہیں اور کبھی قحط پیدا کرتے رہتے ہیں۔ نئے اسلامی بنک کاروبار میں مشارکت و مضاربت تک محدود رہتے ہیں۔ اس طرح ایک تو نقد سرمائے سے جو غلط نوعیت کے کاروبار چلائے جاتے ہیں وہ نہیں ہوتے۔ اور دوسرے کاروبار میں بنک حصہ لے کر ملکی معیشت کو متحرک کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اسلامی بنکوں کا دوسرا بنیادی نظریہ خود کرنسی کے اساسی تصور سے متعلق ہے۔ مغرب کے ماہرین اقتصادیات روپے کو سامان قرار دیتے ہیں یعنی جیسے انسان کیلیے

زمین اور جائداد اور مشینری سامان ہے، اسی طرح روپیہ بذات خود ایک سامان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی ماہرین جس طرح زمین، عمارت، جائداد اور مشینری وغیرہ کو کرائے پر دے کر نفع حاصل کرنے کو درست سمجھتے ہیں اسی طرح نقد روپے کو کرائے پر دینا بھی درست سمجھتے ہیں۔ اور اسی کا نام سود ہے۔ اس کے مقابلے میں اسلامی بینک اور مسلم ماہرین اقتصاد روپے کو فی نفسہ سامان یا جنس (COMMODITY) نہیں بلکہ ذریعے حصول سامان و اجناس سمجھتے ہیں۔ اسلام کی نظر میں نقود قیمت نہیں ہیں بلکہ نقود قیمت کا پیمانہ ہیں یعنی نقود فی نفسہ قیمت نہیں سمجھے جاتے، بلکہ ان کی قیمت وہ خدمات ہیں یا وہ اجناس ہیں جو ان کے ذریعے سے خریدی جا سکتی ہیں۔ اسی تصور نے اسلامی بینکوں کا راستہ بنیادی طور پر سودی بینکوں سے الگ کر دیا ہے۔

اسلامی بینکوں کا وفاق

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ امیر محمد الفیصل اسلامی بینکوں کے قیام میں خصوصی دلچسپی لے رہے ہیں۔ اور اس سلسلے میں خوش کن پہلو یہ ہے کہ انہوں نے اپنے ساتھ مسلم ماہرین اقتصادیات کی چیدہ ٹیم لگا رکھی ہے۔ اس بنا پر امید کرنی چاہیے کہ یہ تحریک نہایت ٹھوس اور صحیح خطوط پر یقیناً آگے بڑھتی رہے گی۔ اتحاد البنوک الاسلامیہ (اسلامی بینکوں کے وفاق) کے نام سے ایک ادارہ چار سال پیشتر مکہ معظمہ میں قائم کیا گیا ہے۔ اس ادارے کے سربراہ بھی امیر محمد الفیصل ہیں۔ اس کا مقصد اسلامی بینکوں کے مابین ہم آہنگی اور تعاون کو بروئے کار لانا ہے تاکہ یہ بینک اپنے مسائل مل جل کر حل کریں، یکساں پالیسی اختیار کریں اور اتفاق باہم سے نئے اسلامی بینک قائم کریں۔ ظاہر ہے کہ اس مرحلے پر عالمی سودی نظام کا سامنا کرنے کے لیے متحدہ محاذ کا وجود امر ناگزیر ہے۔ اسلامی بینکوں کے وفاق کا ایک باضابطہ نظام وضع کر لیا گیا ہے، اسی نظام کے تحت اسلامی بینکوں نے اس کی رکنیت اختیار کی ہے۔

عربی کا محاورہ ہے:۔ الحاجۃ ام الاختراع (ضرورت ایجاد کی ماں ہے)۔ اسلامی بینکوں کی تحریک کو بھی ایجاد کا سہارا لینا پڑا ہے۔ درحقیقت جیسے جیسے اسلامی بینک کھلتے جا رہے ہیں یہ احساس بھی شدت سے ابھر رہا ہے کہ ان بینکوں کی سلامتی اور کامیابی کا راز اس میں مضمر ہے کہ انہیں نہایت لائق، قابل اور محنتی اسٹاف میسر آ جائے۔ عام بینکوں کی نسبت اسلامی بینکوں کا اسٹاف دو خوبیوں سے بہرہ مند ہونا چاہیے۔ ایک جدید بینکنگ سے بھرپور واقفیت اور دوسرے اسلامی احکام اور تقاضوں کا لازمی علم اور پھر ان کو جدید حالات پر منطبق کرنے کی مطلوبہ صلاحیت، چنانچہ اس احساس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اسلامی بینکوں کی تحریک نے ایک نہایت موثر قدم اٹھایا ہے اس کی تفصیل یہ ہے:۔

اسلامی بینکوں کی تحریک نے ۲۵ تا ۲۷ مارچ ۱۹۸۱ء کو قبرص کے مشرقی ساحل پر واقع شہر فاماگوستا میں ایک کانفرنس منعقد کی جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ قبرص میں ایک ادارہ قائم کیا جائے جس کا نام ہو "انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک بینکنگ اینڈ اکنامکس"۔ یہ اجتماع اس لحاظ سے نہایت کامیاب رہا ہے کہ اس میں مسلم ممالک کے کئی قابل ذکر ادارے شریک ہوئے ہیں۔ ان اداروں پر ایک نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی بینکوں کی تحریک سرمایہ کاری کے دوش بدوش "انسان سازی" کی ضرورت بھی محسوس کرتی ہے۔ اور مسلم ممالک کا سنجیدہ عنصر اس تحریک کی کامیابی اور ترقی کے لیے ہر ممکن تعاون کرنے کے لیے تیار ہے۔
شریک اداروں کے نام یہ ہیں:۔

۱ ـــ ازہر یونیورسٹی، مصر۔
۲ ـــ ملک عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ، سعودیہ۔
۳ ـــ ملک فیصل یونیورسٹی دمام، سعودیہ۔
۴ ـــ اسلامی یونیورسٹی ام درمان، سوڈان۔

۵—— فیصل فاؤنڈیشن، سعودیہ۔

۶—— ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ، سعودیہ۔

۷—— متحدہ عرب امارات یونیورسٹی، ابوظہبی۔

۸—— امام محمد بن سعود اسلامی یونیورسٹی، ریاض۔

۹—— استنبول یونیورسٹی، ترکی۔

۱۰—— ملایا یونیورسٹی، ملائشیا۔

۱۱—— اسلامی یونیورسٹی بنڈونگ، انڈونیشیا۔

۱۲—— عرب تربیتی بیورو برائے ممالک خلیج۔

۱۳—— قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد۔

۱۴—— اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد۔

۱۵—— انٹرنیشنل یونیورسٹی، ملائشیا۔

۱۶—— سائنٹیفک ریسرچ سنٹر استنبول۔

۱۷—— اسلامی بنکوں کا بین الاقوامی وفاق۔

۱۸—— شیخ احمد صلاح جمجوم (ذاتی حیثیت میں)

اس اجتماع میں کچھ ادارے مبصر کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ مثلاً دارالافتاء سعودی عرب، اسلامی سکرٹریٹ، اسلامک کونسل آف یورپ، مدارس اسلامیہ کا عالمی وفاق، سنٹرل بنک ترکی۔

روزنامہ المدینہ جدہ کا نامہ نگار لکھتا ہے:۔

"مذکورہ اداروں کے تمام نمائندوں اور علماء اور مفکرین نے اس ورکنگ پیپر کو منظور کر لیا جو اس ادارے کے قیام کے لیے اسلامی بنکوں کے بین الاقوامی وفاق نے تیار کیا تھا اور جس میں یہ واضح کیا گیا تھا کہ جو اسلامی معاشرہ خدا کے قانون کا نفاذ چاہتا ہے اسے اپنے لیے دو بنیادی ستون فراہم کرنا لازمی ہیں:۔

ایک مختلف مسائل زندگی کے بارے میں عام طور پر اور مالی اور اقتصادی مسائل کے بارے میں خاص طور پر اسلامی احکام کا علم۔

دوسرا انسانی زندگی کے ان حالات کی مشکلات کا علم جن پر اسلامی احکام کو منطبق کیا جائے۔" —————— (المدینہ۔ جدہ شمارہ ۱۳ر مارچ ۱۹۸۱ء)

چنانچہ ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے شرکائے اجتماع نے اسلامی بنک کاری اور اقتصادیات کا بین الاقوامی ادارہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس ادارے کا مرکز قبرص ہوگا۔ اس کے اغراض ومقاصد یہ ہوں گے:۔

۱—— جامع اسلامی اقتصادی نظام کی تدوین۔

۲—— ایسے کارکن تیار کرنا جو اسلامی علوم اور اقتصادیات کے میدان میں تخصیص رکھتے ہوں تاکہ وہ اسلام کے اقتصادی نظام کو صحیح پیمانے پر ترقی دے سکیں۔

۳—— ایسے کار آمد افراد تیار کرنا جو اسلامی یونیورسٹیوں کے اندر اقتصادیات کے شعبوں میں علمی تحقیق وتربیت کی ذمہ داری اٹھا سکتے ہوں۔

۴—— ایسے علمی اور اخلاقی ضوابط وضع کرنا جو اس امر کی ضمانت دیں کہ مالیات کے اسلامی ادارے عملی میدان میں اسلامی شریعت کی پابندی کریں گے۔

اس ادارے کی تاسیس میں جن علمی اور اسلامی اداروں نے حصہ لیا ہے ان کی فیس رکنیت پچاس ہزار ڈالر اور افراد کی فیس رکنیت ایک ہزار ڈالر رکھی گئی ہے۔ سات ارکان پر مشتمل انتظامیہ تشکیل دی گئی ہے۔ جن میں شیخ احمد صلاح جمجوم، اسلامی بنکوں کے عالمی وفاق کی جانب سے ڈاکٹر حسین حامد، ڈاکٹر عبداللہ نصیف ریکٹر ملک عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ[1] اور ڈاکٹر محمد الطیب النجار ریکٹر ازہر یونیورسٹی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس ادارے کے صدر امیر محمد الفیصل اور سیکریٹری

---

[1] ڈاکٹر عبداللہ نصیف اب رابطہ عالم اسلامی کے سیکریٹری جنرل ہیں۔

جنرل ڈاکٹر احمد النجار منتخب ہوئے ہیں۔

احمد صلاح جحوم نے جو اس ادارے کی انتظامیہ کے رکن منتخب ہوئے ہیں، ادارے کے طریق کو واضح کرتے ہوئے بتایا کہ یہ بات سب جانتے ہیں کہ فقہ کی کتابوں میں اقتصادی موضوع پر بکثرت مواد پایا جاتا ہے۔ بلاشبہ یہ مواد ایک قیمتی خزانہ ہے، مگر یہ خزانہ اس وقت نگاہوں سے اوجھل ہے۔ بین الاقوامی ادارہ برائے اسلامی بینکاری واقتصادیات پہلے مرحلے میں یہ کوشش کرے گا کہ اس میں کچھ ایسے اسکالر داخل کیے جائیں جو فقہی مواد کے اندر غواصی کرنے کے ساتھ ساتھ مسائل کا استنباط واستخراج کرنے کی مشق کریں۔ اور پھر ان تمام چیزوں کو دورِ حاضر کی زبان واسلوب میں مرتب کریں۔ عہد حاضر کی مغربی اقتصادیات کے ساتھ اسلامی اقتصادیات کا موازنہ بھی کریں۔ ساتھ ہی ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ اس ادارے میں ایسے کارکن اور ماہرین تیار کریں جو مالی امور اور بینکنگ کے معاملات میں اچھا درک حاصل کرلیں اور اسلامی بنکوں کے اندر عملاً مختلف خدمات سرانجام دے سکیں۔"

کامیابی کی تین بنیادیں

اسلامی بنکوں کی کامیابی تین بنیادی چیزوں کی مرہون منت ہے۔ ایک خود مسلمانوں کے اصحاب ثروت حضرات کا تعاون کہ وہ اپنے مالی ذرائع خدا و رسول کے خلاف جنگ میں جھونکنے کے بجائے غیر سودی اسلامی بنکوں کے حوالے کریں، چنانچہ اسلامی تحریکوں کی جدو جہد اور مصلحین اُمّت کے مسلسل جہاد کی بدولت اب یہ رغبت تو مُسلمانوں کے اندر پیدا ہوچکی ہے کہ اگر ان کے سرمائے کو تحفظ ملے تو وہ یقیناً غیر سودی بنکوں ہی کی طرف رخ کریں گے، چنانچہ جن جن ملکوں میں اسلامی بنک قائم کئے گئے ہیں انہیں سرمائے کی کمی کی شکایت نہیں ہوئی، بلکہ بعض اسلامی بنکوں کی جانب سرمائے کا اس قدر رُخ بڑھ چکا ہے کہ وہ بنک اپنے انتظامی وسائل کی کمی کی وجہ سے اس سرمائے کو سنبھالنے میں دقت محسوس کر رہے ہیں۔ مثلاً کویت کے اسلامی

بنک کا اس وقت یہی حال ہے۔ دوسری بنیادی چیز یہ ہے کہ ان بنکوں کو ایسی انتظامی مشنری فراہم ہوجائے کہ وہ سودی بنکوں کے مقابلے میں بہترین خدمات کا ثبوت بھی فراہم کرسکیں اور بنکاری کو شرعی نقطہ نظر سے کسی پہلو سے مجروح بھی نہ ہونے دیں۔ اس بنیادی چیز کو فراہم کرنے کے لیے اسلامی بنکوں کی تحریک نے قبرص میں مذکورہ بالا ادارہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے جو ان شاء اللہ آئندہ قلیل عرصے کے اندر اپنے نتائج واضح کردے گا۔ تیسری بنیادی چیز یہ ہے کہ اسلامی بنکوں کو جو سرمایہ فراہم ہو اسے صحیح بنیادوں پر استعمال کیا جائے، بلکہ اسے صحیح خطوط پر لگانے کے لیے زیادہ سے زیادہ مواقع پیدا کئے جائیں تاکہ نہ صرف سرمایہ قدرتی رفتار سے نمو پزیر ہو بلکہ اس کی بدولت مسلم ممالک کے اندر مختلف صنعتی، زرعی اور دیگر مفید منصوبوں کے اندر سرگرمی پیدا ہو۔ اور مجموعی طور پر مسلمان ممالک ترقی و خوشحالی سے ہمکنار ہوں۔

اس آخری چیز کے بروئے کار لانے کے لیے امیر محمد الفیصل کی جو اسکیم پچھلے دنوں پریس میں آئی ہے وہ نہایت قابل غور ہے۔ ریاض کے ہفت روزہ الدعوۃ کے مُطابق اس اسکیم کا خلاصہ یہ ہے:۔

"امیر محمد الفیصل نے جو اسلامی بنکوں کے بین الاقوامی وفاق کے صدر ہیں یہ اعلان کیا ہے کہ وہ آئندہ پانچ سالوں کے اندر مسلم ممالک اور غیر مسلم ممالک میں ۲۳ اسلامی بنک قائم کریں گے۔ نیز وہ ۳۰ ایسی کمپنیاں قائم کریں گے جن کا نام کفالت کمپنیاں ہوگا اور جو موجودہ انشورنس کمپنیوں کے مقابلے میں اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق ایک متبادل نظام کی حیثیت سے وجود میں آئیں گی۔ انہوں نے یہ اعلان بھی کیا ہے کہ وہ سرمایہ کاری کے لیے ۱۸ کمپنیاں جاری کریں گے جن کے ذریعے سے بنکوں اور کفالت کمپنیوں کے سرمائے کو اسلامی اصولوں کے مطابق استعمال کیا جائے گا۔ امیر محمد الفیصل نے کہا ہے کہ یہ تمام مالی ادارے دراصل ایک ایسا جامع اور مربوط نظام ہوں گے، جو عالم اسلام کی ترقی و خوشحالی کے لیے بنیادی وسائل و ذرائع سے بہرہ مند ہوگا۔"

امیر محمد الفیصل نے اسلامی دار المال کے نام سے ایک مالی ادارے کے قیام کا اعلان کر دیا ہے، جس کا سرمایہ آٹھ سو ملین (۸۰ کروڑ) ڈالر رکھا گیا ہے۔ امیر نے ایک حصّے کی قیمت ایک ڈالر رکھ کر اسلامی دار المال کے حصص مسلمانوں کے اندر فروخت کے لیے کھول دیئے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ اسلامی دار المال کے قیام کی تجویز ۱۹۷۰ء سے چلی آرہی ہے، جسے اب عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلامی دار المال کی حیثیت کسی مخصوص ملک اور رنگ سے وابستہ نہیں ہے اس کی حیثیت اور اس کا دین اسلام ہے"۔

(الدعوۃ۔ ریاض ۱۸ مئی ۱۹۸۱ء)

سعودی عرب کی علماء کی سپریم کونسل کی طرف سے اسلامی دار المال کی مکمل اسکیم اور قواعد وضوابط کا مطالعہ کرنے کے بعد اس امر کا اعلان کیا گیا ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے یہ اسکیم بالکل درست اور صحیح ہے۔ کونسل نے مسلمانوں کو مشورہ دیا ہے کہ اس اسکیم کے تحت اپنا سرمایہ لگائیں۔ دار المال کا موجودہ عارضی مرکز جنیوا ہوگا جسے بعد میں آئندہ کسی مسلمان ملک کے اندر منتقل کیا جائے گا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دار المال کے لیے جنیوا کو بطور مرکز کیوں منتخب کیا گیا ہے۔ اس کا جواب خلیج سرمایہ کاری کمپنی کے وائس چیئرمین ڈاکٹر مصطفےٰ کامل نے یہ دیا ہے کہ دار المال کے لیے مصر کو بھی مرکز بنایا جا سکتا تھا، لیکن مصر کا موجودہ دیوانی قانون جو زیادہ تر فرانسیسی قانون سے ماخوذ ہے اور ۱۹۳۸ء سے نافذ ہے کسی کاروباری کمپنی کو نفع ونقصان کے اصول پر کاروبار کرنے کی کھلی اجازت نہیں دیتا جب کہ سوئٹزرلینڈ کا موجودہ دیوانی قانون مجریہ ۱۹۷۰ء اس امر میں مانع نہیں ہوتا کہ سوئٹزرلینڈ میں نفع ونقصان کی اساس پر سرمایہ لگایا جائے، تاہم ہمارا یہ فیصلہ کہ جنیوا دار المال کا مرکز ہو، عارضی ہے۔ آئندہ کسی مسلم ملک کو ہی منتخب کیا جائے گا ——— (الدعوۃ۔ ریاض یکم جون ۱۹۸۱ء)

جماعت اسلامی

کا

لٹریچر دُنیا کی مختلف زبانوں میں

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جماعت اسلامی کا لٹریچر اب تک دنیا کی باسٹھ زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے اور ابھی تک یہ عمل جاری و ساری ہے۔ انسانیت ایک سچے اور کامنات دین کی تلاش میں ہے۔ اس کی یہ طلب اسلام کے سوا اور کس دین اور نظریے میں پوری ہو سکتی ہے۔ اسلام کی حقیقی تشریح اور اس کی جامع اور منطقی تعبیر اس دور میں صرف مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ نے پیش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا مرحوم کی کتابیں جس ملک اور جس زبان میں منتقل ہوئی ہیں دلوں کے قفل اور ذہنوں کی گرہیں کھولتی گئی ہیں۔ جو ادارے ان کتابوں کے ترجمہ و طباعت پر مامور ہیں ان پر یہ شدید دباؤ ہے کہ وہ اپنے دائرہ کار کو زیادہ سے زیادہ وسیع کریں۔ ان میں قابل ذکر ادارہ: اسلامک انٹرنیشنل فیڈریشن آف سٹوڈنٹس یونین (الاتحاد الاسلامی العالمی للمنظمات الطلابیہ) ہے۔ اس کا انتظامی دفتر کویت میں ہے اور مصطفیٰ محمد الطحان اس کے ایگزیکٹو ڈائرکٹر ہیں۔ ذیل میں ہم زبانوں کی تفصیل بیان کرتے ہیں جن میں اب تک ہمارا لٹریچر کسی نہ کسی حد تک چھپ چکا ہے:

مُسلم ممالک کی زبانیں

عربی:

عربی زبان میں ترجمے کا کام دارالعروبہ دعوۃ الاسلامیہ نے کیا ہے۔ یہ ادارہ قیام

جماعت کے آغاز ہی میں وجود میں آگیا تھا۔ اس کے پہلے معتمد پاک و ہند کے نامور عربی ادیب مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم تھے موصوف عربی انشا میں اونچی دستگاہ رکھتے تھے۔ فصحائے عرب نے بھی ان کی عربی دانی کی ستائش کی ہے۔ ۱۹۵۴ء میں ان کا انتقال ہو گیا تو ان کے شاگرد رشید مرحوم محمد عاصم الحدادؒ معتمد دارالعروبہ بنے اور اپنی خداداد قابلیت کی بدولت اپنے پیش رو کے اچھے جانشین ثابت ہوئے۔ ۱۹۶۲ء تک کار عظیم خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے رہے پھر وہ اپنے خصوصی حالات کے تحت دارالعروبہ چھوڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں حضرات کے اعمال طیبہ قبول فرمائے اور آخرت میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صلحا و اتقیاء کی مصاحبت سے نوازے۔ ۱۹۶۲ء سے یہ بوجھ خاکسار کے ناتواں کندھوں پر ہے۔ یہ ذمہ داری بڑی بھاری اور عظیم ہے اور خاکسار اسے اٹھانے کی اہلیت سے تہی دست ہے۔ جو کچھ اب تک خاکسار سے ہو پایا ہے۔ وہ خدائے ستار العیوب کا صرف کرم ہے۔

۱۹۴۹ء سے عربی لٹریچر چھپنے کا آغاز ہوا۔ پہلے اس کا تجربہ پاکستان میں کیا گیا چند چھوٹے پمفلٹ چھاپے گئے پھر اسے عرب ممالک میں چھاپنے کا آغاز ہوا۔ اب تک یہ لٹریچر قاہرہ، دمشق، بیروت، عمان اور بغداد میں چھپتا رہا ہے۔ مکتبہ الشباب المسلم (قاہرہ) مکتبہ الشباب المسلم (دمشق)، دارالفکر (دمشق) دارالفکر (بیروت) دارالعربیہ (بیروت)، الشرکۃ المتحدۃ للتوزیع (بیروت) متوسہ الرسالۃ (بیروت) المکتبہ الاسلامی (بیروت)، دارالنذیر (عمان)، دارالانصار (قاہرہ) دارالقلم (کویت) چھاپتے رہے ہیں۔ لیکن اب باقاعدہ معاہدے کے تحت اسے نہایت معیاری طباعت کے ساتھ جدہ کا مشہور اشاعتی ادارہ الدارالسعودیہ للنشر والتوزیع چھاپ رہا ہے اور تمام عرب ممالک میں اسے تقسیم کرنے کی ذمہ داری سرانجام دے رہا ہے۔ اور بھی بہت سے مکتبے اپنے طور پر متعدد پمفلٹ چھاپ کر تقسیم کرتے رہے اور کر رہے ہیں۔

اردن کے ثانوی اسکولوں میں رسالۂ دینیات کورس میں شامل ہے سعودی عرب کے سکولوں میں بھی یہ کتاب اسلامی مضمون کا ایک حصہ ہے۔ مختلف ممالک میں جتنے بھی دینی تعلیم کے ادارے ہیں اسکول کی سطح پر ہوں یا کالج کی سطح پر رسالۂ دینیات کی تعلیم دے رہے ہیں اور دوسری کتابیں مطالعہ کے نصاب میں شامل ہیں۔

مولانا مرحوم کی تمام اہم کتب عربی میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ اور چھپ چکی ہیں نسل نو پر اس کے اثرات واضح ہیں۔ عالم عرب کی اسلامی تحریکیں اس لٹریچر کی ترویج و اشاعت کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ یہ لٹریچر ان تحریکوں کے لیے ہے اور تحریکیں اس سے مستفید ہو رہی ہیں۔ اخوان المسلمون مصر، الجبہۃ القومیۃ الاسلامیہ (اسلامک نیشنل فرنٹ) سوڈان، اخوان المسلمون اردن، اخوان المسلمون شام۔ حرکۃ المقاومۃ الاسلامیہ (تحریک مزاحمت اسلامی) فلسطین، الجماعۃ الاسلامیۃ لبنان، تحریک اسلامی عراق، جمعیۃ الاصلاح الاجتماعی کویت، جمعیت الاصلاح بحرین، جمعیۃ الاصلاح متحدہ عرب امارات، دارالارشاد یمن، جامعات سعودیہ، حرکۃ الاتجاہ الاسلامی (رجحان اسلامی تحریک) تونس، جمعیۃ القیم اسلامیہ (جماعت اقدار اسلامی) الجزائر، الشبیبۃ الاسلامیہ (نوجوانان اسلام) مراکش، جمعیۃ الثقافۃ الاسلامیہ موریطانیہ وغیرہ اس لٹریچر کے میدان ہیں۔ جوں جوں اسلامی تحریک غیر اسلامی افکار و نظریات اور بے خدا نظاموں کے خلاف جدوجہد کو بڑھاتی جارہی ہے یہ لٹریچر اور دوسرا اسلامی لٹریچر اپنی طلب کے دائرے وسیع سے وسیع تر کرتا جارہا ہے۔

دارالعروبہ کی طرف سے ایک عربی ماہنامہ بھی ڈیڑھ سال سے نکل رہا ہے اس میں مولانا مرحوم کی وہ تحریریں بھی بالاقساط چھپتی رہتی ہیں۔ جو ابھی تک منظر عام پر نہیں آئی ہیں۔ تفہیم القرآن اور رسائل و مسائل اس کے مستقل کالم ہیں۔ تحریک اسلامی پاکستان کی رفتار کار، پاکستان کے سیاسی حالات، افغانستان کے جہاد اور دنیا کی دوسری اسلامی تحریکوں سے متعلق مضامین و مقالات اس کے ہر شمارے کی زینت ہوتے ہیں۔

فارسی:

۱۹۵۵ء سے پہلے فارسی زبان میں کوئی قابل قدر کتاب ترجمہ نہ ہوئی تھی! اس کے بعد ایران میں حوزۂ علمیہ قم کے کچھ نوجوانوں نے مولانا مرحوم کی کتابوں کے فارسی ترجمہ کا آغاز کیا۔ ان میں سرفہرست دو صاحب تھے۔ ایک ہادی خسرو شاہی جو ان دنوں ماہنامہ فارسی مجلّہ مکتب اسلام میں کام کرتے تھے۔ اور دوسرے شہید گل رخی۔ اور بھی بعض حضرات اس طرف متوجہ ہوئے۔ لیکن مذکورہ دونوں دوست ہمارے ساتھ باقاعدہ مراسلت بھی رکھتے تھے اور اپنے تراجم کے نمونے بھی بھیجتے رہتے تھے۔ ان نوجوانوں کی سرپرستی ایران کے مشہور عالم جناب آیۃ اللہ کاظم شریعت مداری کرتے تھے۔ سیّد ہادی خسرو شاہی نے تنقیحات کے اکثر مضامین کا فارسی ترجمہ کیا اور انھیں کتابی صورت میں شائع کیا۔ اسی طرح رسالۂ دینیات بھی انہوں نے نہایت نفیس کاغذ پر دیدہ زیب طریقہ سے شائع کیا۔ دین حق، اسلام اور جاہلیت، جہاد فی سبیل اللہ، اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے، اور دیگر پمفلٹ اسی زمانے میں یکے بعد دیگرے عربی زبان سے فارسی میں ترجمہ ہو کر فارسی داں قارئین کے سامنے آتے رہے اخبارات ورسائل میں ان پر تبصرے بھی ہوتے رہے اس طرح پچاس اور ساٹھ کے عشرے میں جماعت اسلامی کی دعوت ایران میں رواں دواں پھیلتی رہی۔

۱۹۶۴ء میں جب مولانا مودودی رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء گرفتار کئے گئے تو آیت اللہ کاظم شریعت مداری اور ان کے شاگردوں نے خطوط اور برقیات کے ذریعے سخت احتجاج کیا۔ شیعہ حضرات کے ساتھ ساتھ وہاں کے سنی حلقے بھی سراپا احتجاج بن گئے۔ ۱۹۶۸ء میں حج کے موقع پر راقم مولانا گلزار احمد مظاہری اور چوہدری غلام محمد مرحوم کو مکہ معظمہ میں آیت اللہ کاظم شریعت مداری اور ہادی خسرو شاہی سے ملنے کا

اتفاق ہوا۔ ان دونوں نے ہمارا پرتپاک استقبال کیا اور مولانا مودودی مرحوم کی گرفتاری پر اپنی تمام احتجاجی کارکردگی تفصیل سے سنائی۔ اور یہ بھی انہوں نے بتایا کہ مولانا مودودیؒ کے لٹریچر کو نوجوان دلچسپی سے بڑھتے ہیں اور ان کی نئی نئی کتب ترجمہ ہو کر میدان میں آتی رہتی ہیں۔

دسمبر ۱۹۷۹ء میں جب افغانستان میں روسی فوجیں داخل ہوگئیں اور جہاد شروع ہوگیا تو دارالعروبہ کے کارپردازوں نے فارسی زبان میں تحریکی لٹریچر کو زیادہ سے زیادہ لانے اور پھیلانے کا منصوبہ بنایا خود افغان علماء میں سے ہمیں ایسے افراد مل گئے جنہوں نے ہمارے منصوبے کو بروئے کار لانے کے لیے ہمارے ساتھ تعاون کیا۔ علی الخصوص برادرم کلیم اللہ متین اور مولانا نعمت اللہ شہرانی۔ ۱۹۷۹ء سے لے کر آج ۱۹۸۹ء تک پورے دس سالوں میں ہم مولانا مودودی رحمہ اللہ کی اکثر و بیشتر کتابیں فارسی زبان میں چھاپ چکے ہیں۔ ان میں خلافت وملوکیت، خطبات، پردہ، تنقیحات، تفہیمات، مسئلہ ملکیت زمین، سود، جدید معاشی نظریات، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی، تحریک اور کارکن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ پمفلٹ اور کتابچے تمام ترجمہ ہو چکے ہیں۔ اور اب تفہیم القرآن کی آخری جلد زیر طبع ہے۔ اس کے بعد دوسری جلدیں بھی علی الترتیب چھپ جائیں گی۔

افغانستان کی فارسی زبان (جسے دری کہا جاتا ہے) اور ایران کی فارسی زبان کے اسلوب وادا میں فرق پایا جاتا ہے۔ افغانی فارسی قدیم فارسی سے بہت مشابہت رکھتی ہے اور جدید تہذیبی و تمدنی اثرات اس پر بہت کم وارد ہوئے ہیں اور عربی زبان کے الفاظ اسی کثرت کے ساتھ پائے جاتے ہیں جس کثرت سے گلستان سعدی کے دور میں تھے۔ جب کہ ایران کی فارسی پر انگریزی، فرانسیسی اور روسی زبان نے بڑا اثر ڈالا ہے۔ پچھلی نصف صدی میں اس میں سے عربی الفاظ کو چن چن کر نکالا گیا ہے

اور ان کے بجائے ایرانی نژاد مفردات کو شامل کیا گیا ہے۔ اس فرق نے ہمارے راستے میں بھی مشکلات پیدا کی ہیں۔ افغان اپنی سادہ و پرکار فارسی کو پسند کرتا ہے اور ایرانی اپنی ترقی یافتہ زبان کا دلدادہ ہے۔ اس مشکل کو ہمارے دوست جناب احمد مودودی چشتی حل کر رہے ہیں۔ وہ ہرات (افغانستان) کے رہنے والے ہیں، شاعر اور ادیب ہیں۔ اور افغانی اور ایرانی دونوں اسٹائل پر قدرت رکھتے ہیں۔ ہماری بقیہ کتب مثلاً رسائل و مسائل اور جبر و قدر کا ترجمہ کر رہے ہیں۔

ہمیں فخر ہے کہ افغانستان کے جہاد میں ہم نے فکر مودودیؒ کی اشاعت کے ذریعے حصّہ لیا ہے۔ ایک مجاہد کو جس قدر گولی اور روٹی کی ضرورت تھی، اس سے زیادہ قوت ایمان اور عزم جہاد کو پختہ سے پختہ تر کرنے والی فکر کی ضرورت تھی۔ یہ ضرورت مولانا مودودی رحمہ اللہ کے لٹریچر نے پوری کی۔ ہم نے بڑی کثرت کے ساتھ اور تقریباً ہر کتاب کے پانچ تا دس ایڈیشن چھاپے ہیں۔ اور یہ تمام کتابیں افغان مہاجروں کے کیمپوں، افغان مجاہدین کے مورچوں اور افغان نوجوانوں کے ہاتھوں تک وسیع پیمانے پر پہنچی ہیں اور پہنچ رہی ہیں۔ افغانستان کے اندر ہر ولایت اور ہر محاذ پر یہ کتابیں رفیق جہاد اور زاد راہ بنی ہیں۔ ان کے ذریعے تحریک اسلامی کی دعوت عام ہوئی ہے۔ افغان نوجوانوں کی اسلامی فکر میں استقامت پیدا ہوئی ہے۔ تحریک اسلامی کیا ہے، اس کے تقاضے کیا ہیں۔ اسلامی انقلاب صحیح معنوں میں کیسے برپا کیا جا سکتا ہے۔ اسلام جدید تقاضوں کو کس حد تک پورا کرتا ہے۔ انسانی زندگی کے مختلف گوشوں میں اسلام کی اصولی و اساسی رہنمائی کیا ہے۔ یہ وہ پہلو ہیں جو ہمارے لٹریچر نے افغان نوجوانوں پر بخوبی واضح کر دیے ہیں۔ اور تقسیم کتب کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ یہاں یہ بتا دینا بھی فائدے سے خالی نہ ہوگا کہ تحریکی لٹریچر کے ساتھ ساتھ ہم نے فارسی زبان میں عام دینی لٹریچر بھی تیار کیا اور پھیلایا ہے۔ تفسیر کابلی تین ضخیم جلدوں میں تین مرتبہ چھپ چکی ہے۔ یہ تفسیر

مولانا محمود الحسنؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے حواشی قرآن پر مشتمل ہے۔ اس طرح حنفی فقہ کی نامور کتاب وقایہ کی فارسی شرح مصباح الہدایہ کے نام سے چھاپی گئی ہے۔ ریاض الصالحین فارسی زیر طبع ہے۔

افغانستان کے دوش بدوش ہمارا لٹریچر ایران کے اندر بھی پھیل رہا ہے۔ ایرانی نوجوان اسے ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں، بلکہ اس کی اس قدر مانگ پیدا ہو چکی ہے کہ مکتبوں کے لیے اسے پورا کرنا دشوار ہو رہا ہے۔ دیگر ممالک میں بھی جہاں فارسی داں رہتے ہیں اس لٹریچر کو طلب کرتے رہتے ہیں۔ اردو اور عربی کے بعد سب سے زیادہ اس لٹریچر کی اشاعت فارسی میں ہے۔ ہمارے پاس ایران سے کثرت کے ساتھ خطوط آ رہے ہیں جن میں فارسی لٹریچر کی شدید پیاس بیان کی جاتی ہے۔

پشتو:

آغاز جماعت ہی میں چند کتابیں پشتو زبان میں ترجمہ ہوئی تھیں۔ اور پھر یہ کام سست رفتاری کی نذر ہو گیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ خود پشتو داں بھی یہ پسند کرتا ہے کہ وہ ترجمہ کے بجائے اصل اردو میں کتاب کا مطالعہ کرے۔ جہاد افغانستان کے بعد افغان علماء نے اب ہماری چند کتابیں پشتو میں ترجمہ کی ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے عظیم کارنامہ تفہیم القرآن کا مکمل پشتو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ قیام الدین کشاف نے کیا ہے جو افغانستان کے مشہور عالم ہیں۔ موصوف نے پشتو زبان کا رنگ بھی وہی رکھا ہے جو افغانستان کے اندر بولی جانے والی پشتو کا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ ترجمہ پشتو داں آبادی پر خواہ پاکستان میں ہو یا افغانستان میں قرآن کریم کی روشنی عام کر دے گا اور لوگوں پر یہ حقیقت بھی طشت از بام ہو جائے گی کہ مولانا مودودیؒ کو کیوں عہد حاضر کا عظیم مفکر کہا جاتا ہے۔

ترکی زبان :

ترکی زبان میں ہمارے لٹریچر کے ترجمہ کا آغاز ۱۹۵۵ء میں ہوا تھا۔ انقرہ کے ایک نوجوان صالح اوزجان نے اسے شروع کیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عصمت انونو شکست کھا چکا تھا اور عدنان مندریس نے برسر اقتدار آکر مسلمانوں کو محدود پیمانے پر دینی آزادی دے رکھی تھی۔ اس کے عہد میں مسلمانوں کو عربی میں اذان دینے کی اجازت ملی عربی زبان کی تعلیم کا آغاز ہوا اور دینی مدرسے اور مسجدیں کھل گئیں۔ اب ہمارا تقریباً تمام لٹریچر ترکی زبان میں منتقل ہو چکا ہے۔ حال ہی میں تفہیم القرآن مکمل ترکی زبان میں چھپ گئی ہے۔ تعلیم یافتہ طبقے کے اندر ان کتابوں کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہو رہی ہے اور ہر کتاب کے کئی کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ مولانا مودودیؒ رحمہ اللہ ترکی میں اسی قدر متعارف ہیں جس قدر ترکی کے مجاہد سعید بدیع الزمان نورسی اور شاعر شعلہ نوا محمد عاکف بے متعارف ہیں۔ دیگر مسلمان مفکرین کی کتابیں بھی کثرت کے ساتھ ترکی میں ترجمہ ہو کر چھپ رہی ہیں۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ ترکی جلدی ہی اسلامی انقلاب کے لیے مطلوبہ طاقت فراہم کر لے گا۔

ملائی :

یہ زبان ملائشیا، سنگاپور، جنوبی تھائی لینڈ (جسے پٹانی کہتے ہیں) اور انڈونیشیا کے بعض جزیروں میں بولی جاتی ہے۔ ملائشیا کی کل آبادی ایک کروڑ ۶۹ لاکھ ۶۰ ہزار ہے۔ اس میں مسلمانوں کا تناسب ۵۳ فیصد ہے۔ مسلمانوں کے بعد وہاں بدھ مت کے پیرو اکثریت میں ہیں۔ ان کی تعداد ۲۹ لاکھ ۳۰ ہزار ہے۔ روایت پرست چینیوں کی تعداد ۱۹ لاکھ ۷۰ ہزار ہے۔ ۱۱ لاکھ ۹۰ ہزار ہندو اور ۱۰ لاکھ ۹۰ ہزار عیسائی ہیں۔ اور ۸ لاکھ ۱۰ ہزار دیگر

مذاہب کے لوگ ہیں۔ ملائی وہاں سرکاری زبان ہے۔

ملائی میں ہماری یہ کتابیں ترجمہ ہوئی ہیں: رسالۂ دینیات، اسلام کا نظام حیات، مسلمان طلبا کا کردار، تحریک اور کارکن، پردہ، جہاد فی سبیل اللہ، اسلام اور جاہلیت، دستور جماعت، دیگر نامور مسلم مفکرین کی کتابیں بھی اس زبان میں منتقل ہو چکی ہیں۔ ملائشیا میں ایم، اسلامک پارٹی، جمیم اور دار الارقم نامی تنظیمیں ہمارے لٹریچر کی اشاعت کرتی ہیں۔

انڈونیشیا کی زبان :

انڈونیشیا میں ۱۹۵۳ء میں ہماری کتابوں کے تراجم کا آغاز ہوا۔ جوکجا کرتا میں ایک عربی النسل انڈونیشی مسلمان نے سب سے پہلے چند ابتدائی پمفلٹوں کو اپنی زبان میں منتقل کیا۔ پھر ماشومی پارٹی کے نوجوانوں کو اس سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ عبد القہار مذکر مرحوم (سماٹرا) کے بیان کے مطابق مولانا مرحوم کی متعدد کتب مختلف یونیورسٹیوں اور کالجوں میں پڑھائی جانے لگیں۔ علی الخصوص اسلام اور جدید معاشی نظریات اور رسالۂ دینیات —— بنڈونگ یونیورسٹی میں اسلام پسند نوجوانوں کے حلقے بھی ان کتابوں سے دلچسپی لے رہے ہیں۔

صومالی :

صومالیہ میں ۹۹ فیصد مسلمان ہیں۔ کل تعداد ۴۶ لاکھ ۵۳ ہزار ہے۔ وہاں عربی اور صومالی دونوں سرکاری زبانیں ہیں۔ صومالی بولنے والے جیبوتی (۴۰ ہزار افراد) اور کینیا (۲ لاکھ ۳۰ ہزار افراد) بھی پائے جاتے ہیں۔ صومالیہ میں اس وقت اشتراکی نظام کی عملداری ہے۔ بایں ہمہ وہاں نوجوانوں کے اندر اسلامی تحریک قائم ہے۔

مولانا مودودیؒ کی کتابوں میں سے تحریک اور کارکن، اسلام کا نظام حیات، رسالہ دینیات، جہاد فی سبیل اللہ اور مسلمان طلبا کا کردار صومالی زبان میں چھپ چکے ہیں۔ دیگر مفکرین کی کتابیں بھی بکثرت ترجمہ ہو چکی ہیں مثلاً سیدؒ قطب کی ہذا الدین، اسلام کا روشن مستقبل حسن البنا کے رسائل، یوسف القرضاوی کی اسلام میں حلال وحرام، بہی الخولی کی اسلام اور جدید عورت، مالک بن نبی کی الظاہرۃ القرآنیہ، عبدالکریم زیدان کی فرد اور ریاست اور مولانا ابوالحسن علی ندوی کی مسلمانوں کا عروج وزوال۔

کموروزبان:

جزائر کمورو بحر ہند میں واقع ہیں۔ یہ جزائر فرانس کی کالونی رہے ہیں ان کا دارالحکومت مورونی ہے آبادی ساڑھے چار لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ اور سب مسلمان ہیں۔ یہاں کی سب سے بڑی زبان کمورین ہے جسے سوا تین لاکھ افراد بولتے ہیں۔ بقیہ زبانیں کمورو فرنچ، کمورو مالاگاسی، کمورو سواحلی اور کمورو عربی ہیں۔ مولانا مودودیؒ کی کتاب رسالہ دینیات، امام نوویؒ کی چہل حدیث اور محمد محمود صواف کی تعلیم الصلاۃ کمورین میں چھپ چکی ہیں۔ جدید تعلیم یافتہ لوگ فرنچ زبان میں تحریکی لٹریچر پڑھ لیتے ہیں۔

کردی:

کرد قوم ایران عراق اور ترکی میں پھیلی ہوئی ہے اس قوم کے اندر کردستان کے قیام کے لیے کئی تحریکیں اٹھتی رہی ہیں۔ افغان قوم کی طرح یہ اپنی قومی روایات کی سخت پابند ہے۔ اس کے اندر اسلام سے محبت رکھنے والوں کی بھی بڑی تعداد ہے۔ ۱۹۷۰ء میں کردی زبان میں رسالہ دینیات کا ترجمہ چھپا تھا۔ اب مسلمان طلبہ کا کردار،

اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے، شہادت حق اور پردہ چھپ چکی ہے۔ امام حسن البناؒ کے رسائل، سید قطبؒ کی تصنیف: اسلام کا روشن مستقبل اور صلاح الدین محمد کی کتاب طریق دعوت بھی کردی زبان میں چھپ چکی ہے۔

مالدیپی:

یہ جزیرہ مالدیپ کی زبان ہے۔ اس میں ہمارے مالدیپی نوجوانوں نے رسالہ دینیات مسلمان طلبہ کا کردار، اسلام کا نظام حیات، اسلام کس چیز کا علمبردار ہے اور مولانا مودودیؒ کی زندگی اور دعوت اور کئی مضامین کا ترجمہ کر دیا ہے۔

مالدیپ کی تمام آبادی شافعی المذہب مسلمانوں پر مشتمل ہے مالدیپی زبان (جسے دیویہی کہتے ہیں) وہاں کی سرکاری زبان ہے اردو جاننے والے بھی موجود ہیں۔ کل آبادی ۲ لاکھ ہے اور سو فیصد مسلمان، موجودہ سربراہ نے (جو ازہر یونیورسٹی کا فارغ التحصیل ہے) بنیادی آزادیوں کو ختم کر رکھا ہے اس لیے وہاں اسلامی دعوت کی اشاعت بھی تقریباً ناممکن بنا دی گئی ہے۔ مالدیپی زبان میں اسلامی لٹریچر کی ساری کی ساری اشاعت ان نوجوانوں کے اندر ہو رہی ہے جو مالدیپ سے باہر ہیں۔

پاکستانی زبانیں

اردو:

اسلامی تحریک کا تمام لٹریچر بنیادی طور پر اردو میں تیار ہوا ہے۔

سندھی:

یہ اردو کے بعد پاکستان کی قومی زبانوں میں سے دوسری بڑی زبان ہے اس:

میں متعدد کتابیں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ مثلاً رسالہ دینیات، خطبات، اور خلافت و ملوکیت۔ تفہیم القرآن کی پہلی جلد بھی سندھی زبان میں چھپ چکی ہے۔ سندھ اسلامی پبلی کیشنز کے زیر اہتمام یہ کام ہو رہا ہے۔

پشتو:

اس کا ذکر پیچھے ہو چکا ہے۔

بلوچی:

رسالہ دینیات کا ترجمہ چھپ چکا ہے۔ اسے تربت میں ہمارے رفیق احمد دشتی صاحب نے شائع کیا ہے۔ بلوچی بولنے والوں کی تعداد ۳۳ لاکھ کے لگ بھگ ہے تعلیم یافتہ بلوچ اردو اور انگریزی سے بھی استفادہ کرتے ہیں۔

بنگالی: بنگلہ دیش اور مغربی بنگال کی زبان:

بنگالی زبان میں ترجمے کا آغاز پچاس کے عشرے میں ہو گیا تھا۔ اکثر و بیشتر کتابوں کا ترجمہ مولانا عبدالرحیم مرحوم (سابق امیر جماعت اسلامی مشرقی پاکستان) نے کیا تھا۔ اس وقت تمام اہم کتابوں کا بنگلہ میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ تفہیم القرآن کا ترجمہ ہو رہا ہے۔ جماعت اسلامی بنگلہ دیش تیزی کے ساتھ یہ کام کر رہی ہے۔ خود جماعت کی رفتار کار بھی تسلی بخش ہے۔ اور وہی بنگلہ دیش کے اسلامی مستقبل کی ضامن ہے

بھارت کی زبانیں:

بھارت میں بولی تو ان گنت زبانیں ہیں لیکن جن زبانوں میں تحریک

اسلامی کا لٹریچر کم یا زیادہ چھپ چکا ہے اور اپنے اثرات دکھا رہا ہے وہ یہ ہیں:

۱۔۔۔ ہندی: ۔۔۔ یہ بھارت کی سرکاری زبان ہے اور اسے پورے بھارت میں رواج دیا جا رہا ہے۔

۲۔۔۔ ملیالم: ۔۔۔ یہ جنوبی ہند میں کیرالا کی زبان ہے۔

۳۔۔۔ تامل: ۔۔۔ یہ جنوبی ہند میں تامل ناڈو کی زبان ہے۔

۴۔۔۔ تلگو: ۔۔۔ آندھرا پردیش کی زبان۔

۵۔۔۔ مراٹھی: ۔۔۔ مہاراشٹر کی زبان۔

۶۔۔۔ کنڑی: ۔۔۔ کرناٹک کی زبان۔

۷۔۔۔ گجراتی: ۔۔۔ گجرات (کاٹھیاوار) کی زبان۔

۸۔۔۔ اڑیہ: ۔۔۔ اڑیسہ کی زبان۔

۹۔۔۔ آسامی: ۔۔۔ آسام کی زبان۔

۱۰۔۔۔ بنگالی: ۔۔۔ مغربی بنگال کی زبان۔

۱۱۔۔۔ پنجابی: ۔۔۔ مشرقی پنجاب کی زبان۔

۱۲۔۔۔ اردو: ۔۔۔ یہ وہ اصل زبان ہے جس میں جماعت اسلامی کے بانی نے اپنی دعوت کا آغاز کیا تھا۔ اسے عربی کے بعد دوسری بڑی اسلامی زبان ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ان تمام زبانوں میں تحریک اسلامی کے لٹریچر کا ترجمہ قیام جماعت کے بعد ہی شروع ہو گیا تھا۔ جماعت اسلامی کی رودادوں میں ان ابتدائی کوششوں کا ذکر ملتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان تمام زبانوں میں کئی کتابیں چھپ چکی ہیں۔ خصوصاً ملیالم (کیرالا) میں تو جماعت کا مکمل لٹریچر ترجمہ ہو چکا ہے۔ تفہیم القرآن کا ملیالم ترجمہ قریب قریب مکمل ہونے کو ہے۔ ملیالم میں ایک روزنامہ اخبار بھی نکلنا شروع ہو گیا ہے۔ ماہانہ اور ہفتہ وار رسالے بھی نکل رہے ہیں۔ مزید قابل ذکر بات یہ ہے کہ

جماعت اسلامی بھارت نے مذکورہ تمام زبانوں میں قرآن کریم کا ترجمہ چھاپ دیا ہے اور صنم کدہ ہند میں توحید کی روشنی پھیلائی جا رہی ہے۔

ذیل میں ہم جماعت اسلامی ہند کی رپورٹ کا اقتباس نقل کرتے ہیں۔ یہ رپورٹ ۱۹۸۱ء کے اجتماع منعقدہ وادی ہدیٰ (حیدرآباد) میں پیش کی گئی تھی۔ اب پچھلے چھ سالوں میں ترجمہ و اشاعت کے کام میں مزید پیش رفت ہو چکی ہے۔ ۱۹۸۱ء تک جو کچھ بھی ہوا ہے وہ بھی تحریکی اثرات کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہے:

اسلام کی تعلیمات اور اس کے تقاضوں کو سمجھانے اور غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کے ازالہ کے سلسلے میں دو اہم ضرورتیں قابل لحاظ ہیں۔ اوّل جو لوگ اسلام سے اچھی طرح واقفیت نہیں رکھتے وہ صحیح طور پر اس سے متعارف ہو سکیں۔ دوئم ملک و ملت کے کے حالات کو سامنے رکھ کر اسلامی تعلیمات کو زیادہ سے زیادہ رواج دیا جائے اور بتایا جائے کہ اسلامی نظام ہی کے ذریعے انسان اپنے مسائل و مشکلات کو حل کر سکتا ہے۔ چنانچہ ان دونوں ضرورتوں کے لیے جماعت کے دو ادارے (۱) ادارہ تصنیف و تالیف اور (۲) شعبہ ہندی کام کر رہے ہیں۔

۱۹۸۱ء تک درج ذیل کتابیں، کتابچے، اور بعض کتب کے تراجم دونوں اداروں کی طرف سے تیار یا شائع ہوئے!

(۱) ہندی زبان میں:

۱۔۔۔ تفہیم القرآن کی تلخیص۔

۲۔۔۔ ہندی ترجمہ قرآن مجید مع حواشی۔

۳۔۔۔ قرآن کا تعارف ہندی میں۔

۴۔۔۔ حدیث کے مجموعہ اور تعارف پر تین کتابیں ہندی اور اردو میں۔

۵۔۔۔ توحید رسالت آخرت پر اردو و ہندی میں پانچ کتابچے۔

۶۔۔۔ تحریک و دعوت کے تعارف پر تین کتابیں۔

۷۔۔۔ تزکیہ و تربیت کے موضوع پر سات کتابیں اور کتابچے۔

۸۔۔۔ سیرت و سوانح پر ہندی میں دو کتابیں۔

۹۔۔۔ اسلام کے بارے میں غلط فہمیوں کے ازالہ پر ہندی میں ایک جامع کتاب۔

۱۰۔۔۔ معاشرتی امور و قوانین اور معاشرتی خرابیوں کی اصلاح پر دس کتابیں اور کتابچے۔

۱۱۔۔۔ مذاہب اور سماج کا مطالعہ۔ دو کتابیں۔

۱۲۔۔۔ اسلام اور نظام معیشت پر۔ دو کتابیں۔

۱۳۔۔۔ خدمت خلق اور پسماندگی کا ازالہ کیسے ہو۔۔۔ دو کتابیں

۱۴۔۔۔ اسلامی معاشرہ میں خواتین کی ذمہ داریاں اور بچے بچیوں کے لیے کتابوں کے ہندی تراجم گیارہ عدد، ان کے علاوہ ہمارے آسامی، پنجابی، گجراتی، مراٹھی، تلگو، ٹامل، کنڑی اور بنگالی کے علاقائی دارالاشاعتوں نے جو کچھ شائع اور تیار کیا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

۱۔۔۔ آسامی میں تفہیم القرآن کے ترجمے کا کام کافی عرصے سے ہو رہا ہے اور مختلف اسلامی موضوعات پر تیس ۳۰ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

۲۔۔۔ پنجابی میں ترجمہ قرآن مع مختصر حواشی مکمل ہو گیا ہے۔ اور مختلف موضوعات پر بیس ۲۰ تحریکی کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں اور حدیث کے ایک مجموعے کا ترجمہ بھی زیر طبع ہے۔

۳۔۔۔ گجراتی میں مکمل ترجمۂ قرآن مع مختصر حواشی اور پارہ عم تفہیم القرآن اور ساٹھ ۶۰ تحریکی کتابیں مزید شائع ہو چکی ہیں۔ سیرت پاک پر محسن انسانیت کا ترجمہ اور حدیث کا ایک مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

۴۔۔۔ مراٹھی میں مکمل ترجمۂ قرآن مع مختصر حواشی کا پہلا ایڈیشن شائع ہو چکا ہے۔ دوسرا ایڈیشن زیر طبع ہے۔ حدیث اور سیرت پر بھی کئی کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں مختلف تحریکی کتب کی جملہ تعداد ۶۲ ہے۔

۵ ـــ تلگو میں تفہیم القرآن سے سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے اور تفہیم القرآن سے (صرف ترجمۂ قرآن) پندرہ پاروں کا پہلا حصّہ شائع ہو چکا ہے۔ دوسرا حصّہ زیرِ طبع ہے۔ اور مختلف موضوعات پر ۵، تحریکی کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں جن میں حدیث کا ایک مجموعہ بھی شامل ہے۔

۶ ـــ کنڑی میں قرآن مجید کا ترجمہ مع مختصر حواشی ۱۹۸۱ء سے کئی بار شائع ہو چکا ہے۔ تلخیص تفہیم القرآن بھی نصف شائع ہو چکی ہے۔ دوسرا حصّہ تکمیل کے مراحل میں ہے۔ مختلف اسلامی موضوعات پر ۱۱۰ کتب شائع ہو چکی ہیں۔ جن میں حدیث کے مجموعے اور سیرت پر کتب بھی شامل ہیں۔

۷ ـــ ٹامل میں سورۂ بقرہ مع مقدمہ تفہیم القرآن اور سورہ یٰسین کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ مکمل ترجمۂ قرآن مع مختصر حواشی بھی دو حصّوں میں شائع ہو چکا ہے۔ پہلے حصّے کی پندرہ ہزار اور دوسرے حصّے کی آٹھ ہزار کاپیاں فروخت ہو چکی ہیں۔ اب دونوں حصّوں کو یکجا کرکے ایک جلد میں شائع کیا جا رہا ہے۔ 'حیاتِ طیبہ' کا ترجمہ کافی مقبول ہے۔ حدیث کا مجموعہ 'راہِ عمل' زیرِ طبع ہے۔ اب تک مختلف موضوعات پر ۱۱۰ تحریکی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اور کتابوں کے پانچ تا آٹھ ایڈیشن فروخت ہو چکے ہیں۔

۸ ـــ بنگلہ زبان میں ترجمہ قرآن مع مختصر حواشی شائع ہو چکا ہے۔ اور مختلف اسلامی اور تحریکی موضوعات پر اسّی کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں۔ بہت سی کتب بنگلہ دیش سے درآمد کی جاتی ہیں۔ تفہیم القرآن کے حصص بھی بنگلہ دیش میں طبع شدہ سے استفادہ کیا جاتا ہے (طباعت کا کام بنگلہ پرکاشن ٹرسٹ کلکتہ کر رہا ہے)۔

۹ ـــ ملیالم میں تفہیم القرآن کی چار جلدوں کا ترجمہ شائع ہو رہا ہے۔ اور پانچویں اور چھٹی جلدوں کے ترجمے کا کام جاری ہے۔ احادیث اور سیرتِ پاک کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ تحریکی کتب کی تعداد پانچ سو سے تجاوز ہے۔

۱ ـــ اڑیہ زبان میں اب تک بارہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اور ترجمۂ قرآن کے کام کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔

بورڈ آف اسلامک پبلی کیشنز دہلی۔ تفہیم القرآن کا سورۂ توبہ تک دو جلدوں میں انگریزی ترجمہ،

حدیث کا ایک مجموعہ اور سیرت میں محسنِ انسانیت کا انگریزی ترجمہ، سیرت ہی پر ایک غیر مسلم کی انگریزی کتاب اسلام، اسلام دی مینس انڈرسٹڈ ریلیجن اور پرائمر آف اسلام کا تین کتابوں پر مشتمل سیٹ شائع کر چکا ہے۔

ان کے علاوہ اشاعت اسلام ٹرسٹ دہلی، بورڈ آف اسلامک پبلی کیشنز دہلی، بنگلہ ساہیتہ پرکاشن کلکتہ، اسلامی پبلی کیشنز ہاؤس اور اسلامک سروس ٹرسٹ کیرالہ بھی ہمارے ہم خیال آزاد رجسٹرڈ ٹرسٹ ہیں۔ جو قرآن و حدیث کے ترجمے اور دوسرے دعوتی و اسلامی لٹریچر اردو، ہندی، انگریزی بنگلہ اور ملیالم میں شائع کرتے رہتے ہیں۔ ہماری معلومات کی حد تک انہوں نے درج ذیل کتابیں اور کتابچے شائع کئے ہیں۔ قرآن و حدیث کے اردو ہندی انگریزی تراجم و تفسیر اور دوسرے دینی لٹریچر اردو میں ۸۱۶، ہندی میں ۱۴۲ اور انگریزی میں ۱۱۹ کتابیں صرف اشاعت اسلام ٹرسٹ دہلی شائع کر چکا ہے۔"

نیپالی:

یہ نیپال کی سرکاری زبان ہے۔ اسے نیپال میں ایک کروڑ ۵ لاکھ ۱۰ ہزار افراد بولتے ہیں۔ اس کے بعد وہاں میتھل (۲۰ لاکھ) بھوجپوری (۱۳ لاکھ ۷۰ ہزار) اور ہندی ریاست اودھ کے لہجے میں (۲ لاکھ ۸۰ ہزار) کا رواج ہے۔ (مذاہب کے لحاظ سے بھی وہاں اکثریت ہندوؤں کی ہے (ایک کروڑ ۶۱ لاکھ ۱۰ ہزار) ۹ لاکھ ۵۰ ہزار بدھ مت کے لوگ ہیں اور چار لاکھ ۹۰ ہزار مسلمان۔ نیپال وہ واحد ملک ہے جس کا دستوری مذہب ہندو مت ہے۔

مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد اردو جانتی ہے اور اردو لٹریچر سے استفادہ کرتی ہے۔ انگریزی جاننے والے بھی بکثرت ہیں۔ رسالہ دینیات اور اسلام کا نظام حیات اور دیگر چند رسائل کا نیپالی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

افریقہ کی زبانیں

ھاؤسا:

ہاؤسا نائجیریا، نائیجر اور چاڈ کے مسلمان قبائل کی زبان ہے۔ اس زبان میں مسلمانوں نے زمانہ ماضی میں بھی وسیع لٹریچر تیار کیا تھا۔ اب اس زبان میں مولانا مودودیؒ مصطفی سباعیؒ، سیّد قطبؒ، عبدالقادر عودہؒ، عبدالکریم زیدان، امام حسن البنّاؒ، شیخ یوسف القرضاوی کی چند کتابیں ترجمہ ہو کر چھپ چکی ہیں۔ ان میں سرفہرست رسالہ دینیات ہے اور اسلام کا نظام حیات اور مسلمان طلبا کا کردار بھی ترجمہ ہو چکے ہیں۔ قادیانی مسئلہ بھی ھاؤسا میں شائع ہو چکا ہے۔ اِفسو کی طرف سے اس زبان میں تیزی سے اسلامی لٹریچر منتقل کیا جا رہا ہے نائجیریا میں ہاؤسا سب سے بڑی زبان ہے۔ اسے وہاں کے ۶ کروڑ انسان بولتے ہیں۔ اس کے بعد یوربا (۲ کروڑ ۴۰ لاکھ) ایبو (۲ کروڑ ۲ لاکھ) اور فولانی (ایک کروڑ ۲۶ لاکھ) انسانوں کی زبان ہے۔ ان کے علاوہ بھی متعدد زبانیں رائج ہیں۔ سرکاری زبان انگلش (لینگوا فرنیکا) ہے۔ اس لیے نائجیریا میں تعلیم یافتہ لوگ انگریزی زبان میں تحریکی لٹریچر کا مطالعہ کرتے ہیں۔ نائیجر میں ہاؤسا بولنے والے ۳۶ لاکھ ۱۰ ہزار، اور چاڈ میں ایک لاکھ ۲۰ ہزار ہیں۔

نائجیریا کی سرکاری زبان فرنچ اور چاڈ کی سرکاری زبان عربی ہے۔ ان دونوں زبانوں میں بھی تحریک اسلامی کا لٹریچر ان ممالک میں پہنچ جاتا ہے۔

یوروبا:

یہ بھی نائجیریا کے مغربی قبائل کی زبان ہے۔ بنین میں بھی یوروبا بولنے والے

قبائل موجود ہیں۔ ان قبائل میں بھی اسلام کی اشاعت تیزی کے ساتھ ہو رہی ہے۔ رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے یوروبا میں قرآن کریم کا ترجمہ شائع کیا گیا ہے۔ مولانا مودودیؒ کی کتابوں میں سے مسلمان طلبا کا کردار اور اسلام کا نظام حیات، سلامتی کا راستہ اور دین حق کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ تفہیم القرآن کو بھی یوروبا میں منتقل کرنے کی اسکیم ہے۔ نائجیریا کی ۹ کروڑ ۵۲ لاکھ کی آبادی میں مسلمانوں کا تناسب ۷۰ فیصد ہے۔ ان کے بعد پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک عیسائی ہیں۔ ایک بہت بڑی تعداد ارواح پرست آبادی کی ہے۔ ہوسا قبائل کے بعد مسلمانوں کی اکثریت یوروبا قبائل میں ہے۔ یوروبا بولنے والوں کی تعداد ۲ کروڑ ۴۰ لاکھ ہے۔

فولانی: (FULANI)

یہ زبان مغربی افریقہ کی سب سے وسیع زبان ہے۔ اس کا دائرہ گمبیا۔ گی آنا، گنی بساؤ، بنین، بورکنیا فاسو، کیمرون، مالی، نائیجر، نائجیریا، سینی گال اور سیرالیون تک پھیلا ہوا ہے۔ ان تمام ممالک میں ایسے قبائل آباد ہیں جو فولانی بولتے ہیں۔ اس زبان میں رسالہ دینیات اور چند دیگر پمفلٹ ترجمہ ہو چکے ہیں اور پھیل رہے ہیں۔

ایوی: (EWE)

اس کا رواج گھانا، ٹوگو اور اس کے اردگرد ممالک میں ہے۔ مولانا مودودیؒ کا رسالہ دینیات اور سیّد قطب شہیدؒ کی کتاب "اسلام دینِ حق" کا ترجمہ اس زبان میں میں ہو چکا ہے۔

گا: (GA)

یہ بھی گھانا کی زبان ہے۔ اس میں مولانا مودودیؒ کی کتاب رسالہ دینیات

اور سیّد قطبؒ، عبدالقادر عودہؒ اور محمد قطب کی منتخب کتابوں کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ گھانا میں انگریزی زبان بھی بکثرت بولی جاتی ہے۔ بلکہ یہ وہاں کی سرکاری زبان ہے۔ وہاں مسلمانوں کی موجودہ تعداد ۲۱ لاکھ ۶۰ ہزار ہے۔ سب سے زیادہ تعداد میں کرسچین ہیں اور پھر ارواح پرست۔

فانتی: (FANTI)

یہ مغربی افریقہ کے متعدد قبائل کی زبان ہے۔ اس میں رسالہ دینیات چھپ چکا ہے۔ اسلام کا نظام حیات، مسلم طلبا کا کردار اور جہاد فی سبیل اللہ زیر ترجمہ ہیں۔

اشانتی: (ASHANTI)

مغربی افریقہ کے متعدد ممالک میں بولی جاتی ہے۔ اس میں جہاد فی سبیل اللہ اور اسلام کا نظام حیات کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ سیّد قطبؒ کی جادہ و منزل اور اسلام کا روشن مستقبل، محمد بن عبدالوہابؒ کی کتاب التوحید اور امام نوویؒ کی اربعین بھی ترجمہ ہو چکی ہیں۔

افریکانز:

اس کا بھی مغربی افریقہ میں وسیع پیمانے پر رواج ہے۔ رسالہ دینیات اور اسلام کا نظام حیات چھپ چکے ہیں۔

انزیما: (ANZIMA)

مغربی افریقہ کے چند قبائل کی زبان ہے۔ اس میں رسالہ دینیات چھپ چکا

ہے۔ اور چند اور کتابیں زیر ترجمہ ہیں۔

شیشوا:

مغربی افریقہ کی ایک زبان ہے۔ رسالہ دینیات کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ مغربی افریقہ کی ان زبانوں کے بولنے والوں میں ایسے صالح نوجوان پیدا ہو چکے ہیں جو عربی اور انگریزی سے اپنی زبانوں میں مولانا مودودیؒ اور دیگر مفکرین کی کتابوں کے ترجمے کر رہے ہیں۔ ہمارے علم میں تو ابھی تک چند تراجم آئے ہیں، مگر ہمارا خیال ہے کہ اس وقت متعدد کتابیں ان زبانوں میں چھپ چکی ہیں۔

شونا:

یہ جنوبی افریقہ میں رائج ہے۔ بوٹسوانا اور زمباوے اور موزمبیق میں اس زبان کے بولنے والوں کی اکثریت ہے۔ رسالہ دینیات، مسلمان طلبا کا کردار اور دیگر متعدد پمفلٹ اس میں چھپ چکے ہیں۔

زولو:

جنوبی افریقہ کی زبان:

زولو جنوبی افریقہ اور سوازی لینڈ کی زبان ہے۔ جنوبی افریقہ میں سب سے زیادہ منظم اور طاقتور قبیلہ زولو قبیلہ ہے۔ جنوبی افریقہ کی سرکاری زبان افریکانا اور انگریزی ہے۔ زولو بولنے والوں کی تعداد ۵، لاکھ ہے۔ یہ وسعت کے لحاظ سے وہاں کی دوسری بڑی زبان ہے۔ گو سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان نگونی ہے۔ (ایک کروڑ ۱۴ لاکھ ۱۰ ہزار افراد کی زبان)، مگر زولو علم و ادب کے میدان میں اس پر فائق

ہے۔ اس زبان میں اخبارات و رسائل بھی نکلتے ہیں۔ اسی طرح سوازی لینڈ میں اس زبان کے بولنے والے کافی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

زدلو میں مولانا مودودیؒ کا رسالہ دینیات چھپ چکا ہے۔ جس زدلو ادیب نے یہ ترجمہ کیا ہے وہ دوران ترجمہ کتاب سے متاثر ہوگیا اور اس نے اسلام قبول کرلیا اور پھر اس نے اپنے اخبار میں اسے قسط وار چھاپ دیا۔

سواحلی زبان:

میں جو مشرقی افریقہ میں بحر عرب پر واقع ہے، سب سے بڑی زبانیں دو ہیں۔ ایک اِمہری (جسے ایک کروڑ ۸۰ لاکھ افراد بولتے ہیں) اور دوسرے ارومو (اسے گالا بھی کہا جاتا ہے۔ اور اس کے بولنے والوں کی تعداد ایک کروڑ ۷۰ ہزار کے قریب ہے)۔ عربی زبان بھی بولنے والے مل جاتے ہیں۔ سرکاری زبان امہری ہے مسلمان قبائل ارومو بولتے ہیں۔ پورے حبشہ میں مسلمانوں کا تناسب ۳۲ فیصد بنتا ہے۔ اری ٹیریا، عفر اور عیسیٰ کی آبادیاں مسلم اکثریت پر مشتمل ہیں۔ ارومو میں تحریک اسلامی کے لٹریچر کے ترجمے کا آغاز ہو چکا ہے۔ رسالہ دینیات چھپ گیا ہے۔

ارومو:

میں جو مشرقی افریقہ میں بحر عرب پر واقع ہے۔ سب سے بڑی زبانیں دو ہیں۔ ایک امہری (جسے ایک کروڑ ۸۰ لاکھ افراد بولتے ہیں) اور دوسرے ارومو (اسے گالا بھی کہا جاتا ہے اور اس کے بولنے والوں کی تعداد ایک کروڑ ۷۰ ہزار کے قریب ہے) عربی زبان بھی بولنے والے مل جاتے ہیں۔ سرکاری زبان امہری ہے مسلمان قبائل ارومو بولتے ہیں پورے حبشہ میں مسلمانوں کا تناسب ۳۲ فی صد بنتا ہے۔ اری ٹیریا، عفر اور عیسیٰ کی آبادیاں مسلم اکثریت پر مشتمل ہیں۔ ارومو میں تحریک اسلامی کے لٹریچر کے ترجمے کا آغاز ہو چکا ہے۔ رسالہ دینیات چھپ گیا ہے۔

سواحلی زبان:

اسے مشرقی افریقہ کی آبادیاں بولتی ہیں۔ یہ کینیا اور تنزانیہ کی سرکاری زبان ہے۔ جزائر کمورو اور کینیا کے سرحدی علاقوں میں اس کا رواج ہے۔ مجموعی طور پر سواحلی بولنے والوں کی تعداد دو کروڑ سے زائد ہے۔ صرف کینیا میں سواحلی بولنے والے ایک کروڑ ۴۸ لاکھ ہیں، اور کینیا کی متعدد زبانوں میں سب سے بڑی زبان ہے۔ اس کے بعد کیکویو (۴۷ لاکھ ۹۰ ہزار) لاؤ (۲۹ لاکھ ۲۰ ہزار) اور کامبا (۳۵ لاکھ ۸۰ ہزار) ہیں۔ تنزانیہ میں بھی یہ زبان دوسرے درجے پر ہے۔ اس کے بولنے والوں کی تعداد ۲۱ لاکھ ۲۰ ہزار ہے۔ اور پہلے درجے پر سوکوما ہے جسے ۵۰ لاکھ ۶۰ ہزار افراد بولتے ہیں۔

سواحلی زبان میں مولانا مودودیؒ اور دیگر اہل علم کی کتابوں کے ترجمے نیروبی کا عظیم الشان ادارہ اسلامک فاؤنڈیشن کر رہا ہے۔ اب تک رسالہ دینیات، سیرت کا پیغام، اسلام کا نظام حیات، جہاد فی سبیل اللہ اور مسلمان طلبہ کا کردار چھپ چکے ہیں۔ سید قطبؒ، ڈاکٹر عبدالکریم زیدان، عبدالقادر عودہؒ، ڈاکٹر مصطفیٰ سباعیؒ، محمد بن عبدالوہابؒ اور امام نوویؒ کی بعض تصنیفات بھی سواحلی میں چھپ چکی ہیں۔

اسلامک فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام سب سے زیادہ عظیم الشان کام جو سرانجام دیا گیا ہے، وہ سواحلی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ ہے، یہ سواحلی زبان کا پہلا قابل اعتماد ترجمہ ہے۔ اس سے پہلے قادیانیوں اور مستشرقین کے تراجم رائج ہیں۔ یہ ترجمہ ایک لاکھ کے قریب تقسیم ہو چکا ہے اور ابھی تک یہ کار خیر جاری ہے۔ اسلامک فاؤنڈیشن کی طرف سے پورے مشرقی افریقہ میں تحریک اسلامی کو فروغ دینے کے لیے غیر معمولی جدوجہد شروع ہو رہی ہے۔

لوگنڈہ: یوگنڈا کی زبان

مسلسل یوگنڈا پر پڑتے رہتے ہیں۔ یوگنڈا کا دارالحکومت کمپالا ہے۔ مسلمان آبادی کا تناسب ۲۲ فیصد ہے۔ اس چھوٹے سے ملک میں مقامی اور قبائلی زبانوں کی تعداد ۵ اسے زائد ہے۔ انگریزی سرکاری زبان ہے۔ سب سے زیادہ لوگنڈہ (LUGANDA) بولی جاتی ہے۔ اس کے بعد ٹیو، نکولا، سوگا اور گیسو زبانیں ہیں۔ لوگنڈہ میں اسلامی لٹریچر کثرت سے آرہا ہے مولانا مودودیؒ کی تصنیفات میں سے رسالہ دینیات، اسلام کا نظام حیات، مسلمان طلبہ کا کردار، جہاد فی سبیل اللہ چھپ چکے ہیں۔ سید قطبؒ کی کتاب ہذا الدین، ڈاکٹر مصطفیٰ سباعیؒ کی کتاب سیرت نبیؐ، امام نوویؒ کی چہل حدیث، الفت عزیز کی اسلام اور مسیحیت، حمودہ عبدالعاطی کی اسلام کا تعارف اور محمد بن عبدالوہابؒ کی کتاب التوحید بھی چھپ چکی ہیں۔

جنوب مشرقی ممالک کی زبانیں

جاپانی:

جاپان میں اکثریت بدھ مت کے پیروکاروں کی ہے شنٹو مذہب کے ماننے والوں کی بھی ایک تعداد موجود ہے۔ اسلامی دعوت کا کام وہاں جاپان اسلامک سنٹر کے ذریعے سے ہو رہا ہے۔ یہ سنٹر ۱۹۶۵ء میں ٹوکیو میں ایک مسجد میں قائم ہوا۔ ۱۹۷۳ء میں اسے ایک مستقل سنٹر کی حیثیت دی گئی۔ ۱۹۷۷ء میں زمین خرید کی اس کی عمارت تعمیر کی گئی۔ اور اب جاپان کے تین اور شہروں میں اس کی شاخیں ہیں جو تبلیغ اسلام کا فرض سرانجام دے رہی ہیں جب کہ ۱۱ شہروں کے اندر نومسلم جاپانیوں کی کمیونٹیز رہتی ہیں۔ ٹوکیو کے اسلامک سنٹر میں ایک ماہ میں تقریباً دو سو افراد اسلام کو سمجھنے کے لیے آتے ہیں۔ ان میں سے اکثر لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے ہیں۔ جاپانی زبان میں ترجمہ کا کام ایک مسلمان سکالر مرحوم عمر میتا نے کیا ہے۔ مولانا مودودیؒ کی کتابوں میں سے جہاد فی سبیل اللہ، اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے، رسالہ دینیات، اسلام کا نظام حیات، تفہیم القرآن کی چند سورتیں (مثلاً سورۃ المائدہ) جاپانی زبان میں ترجمہ ہو چکے ہیں۔ مزید ترجمے کا کام جاری ہے۔ "السلام" کے نام سے ایک پیریڈیکل بھی جاپانی زبان میں نکلتا ہے، اس میں بھی مسلمان مفکرین کی تحریریں شائع ہوتی رہتی ہیں اور یہ تین ہزار

سے زائد افراد اور اداروں کے اندر تقسیم ہوتا ہے۔ ۱۹۷۷ء میں ٹوکیو میں اسلامی قانون کانفرنس منعقد ہوئی جس کے نتیجے میں جاپان کی چوا ویونیورسٹی میں اسلامیات اور عربی زبان کی تعلیم کی کرسی قائم کی گئی اور اب تک یہ قائم ہے۔

کوریا کی زبان:

جنوبی کوریا میں اسلام کی تبلیغ کا آغاز ۱۹۵۳ء میں ہوگیا تھا۔ اس وقت وہاں ۳۰ ہزار سے زائد کورین مسلمان ہوچکے ہیں۔ سیول میں اسلامک سنٹر کے نام سے ایک عظیم الشان مسجد اور مدرسہ اور انتظامی دفاتر تعمیر ہوچکے ہیں۔ دوسرا بڑا سنٹر پوسان میں ہے جو کوریا کا صنعتی شہر بن چکا ہے۔ رسالہ دینیات، اسلام کا نظام حیات، مسلمان طلبہ کا کردار، جہاد فی سبیل اللہ، خطبات کے بعض حصے کوریائی زبان میں منتقل ہوچکے ہیں۔ یہاں کے چند نوجوان سعودی جامعات سے عربی زبان اور دین کی تعلیم حاصل کرکے آئے ہیں۔ اب یہ ترجمہ اور تبلیغ کا کام سرانجام دے رہے ہیں۔ سیول یونیورسٹی میں بھی انہوں نے عربی زبان کی تدریس کا ایک ڈیپارٹمنٹ قائم کرلیا ہے۔ کوریا کے باشندوں کی اکثریت لامذہب (پیگن) ہے۔ ایک معمولی سا تناسب عیسائیوں کا بھی ہے مگر عیسائیت وہاں کارگر ثابت نہیں ہورہی ہے۔ اسلام کے لیے وہاں بہترین ماحول پایا جاتا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ کوریا کے لوگ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں کوئی تعصب نہیں رکھتے، کیوں کہ تاریخ میں انہیں مسلم اقوام سے کبھی دو بدو واسطہ نہیں پڑا جو اپنے پیچھے تلخ یادیں چھوڑ جاتا۔

تگالو:

یہ فلپائن کی سرکاری زبان ہے۔ اس کا زیادہ تر چلن شمالی اور وسطی فلپائن میں

ہے۔ شمالی فلپائن میں مسلمان اقلیت میں ہیں۔ اکثریت عیسائیوں کی ہے یا لامذہب باشندوں کی۔ تگالو زبان میں مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی متعدد کتابیں ترجمہ ہوچکی ہیں۔ منیلا یونیورسٹی میں مسلمان طلبہ کی ایک بڑی فعال تنظیم ہے۔ جو ان کتابوں کی اشاعت کررہی ہے۔ منیلا میں کیاپو کی گولڈن مسجد بھی تحریکی نوجوان کا سنٹر ہے۔ انگریزی زبان کے ساتھ ساتھ تگالو میں بھی اسلامی لٹریچر کی اشاعت ہورہی ہے۔

مارا ناو: جنوبی فلپائن کی زبان

مارا ناو کا رواج پورے جنوب میں ہے۔ مراوی جو جزیرہ مینڈاناو کا شمالی شہر ہے اور مسلمانوں کا قدیم زمانے سے تہذیبی اور ثقافتی مرکز ہے اس زبان کا اصل گہوارہ ہے۔ اسے جنوبی فلپائن کے مسلمانوں کی زبان کا درجہ حاصل ہے۔ مراوی کے اندر تحریک اسلامی بھی بڑی سرگرم ہے۔ اس سے وابستہ حضرات مولانا مودودی کی کتابوں کو مارا ناؤ میں منتقل کررہے ہیں۔ اسلام کا نظام حیات، رسالہ دینیات اور شہادت حق اور جہاد فی سبیل اللہ اور سلامتی کا راستہ ترجمہ کرچکے ہیں۔ اور یہ سلسلہ جاری ہے۔

مذکورہ دونوں زبانوں: تگالو اور مارا ناؤ میں اسلامی لٹریچر کی وسیع پیمانے پر اشاعت کا تعلق جنوبی فلپائن میں مورو مسلمانوں کی تحریک جہاد سے بھی ہے۔ یہ تحریک "مورو اسلامک فرنٹ" کے نام سے کام کررہی ہے۔ اس کے سربراہ ہمارے دوست سلامت ہاشم ہیں۔ جزیرہ مینڈاناو، جزیرہ توی توی، جزیرہ سولو اور جزیرہ پاسیلان میں اس تحریک کے وسیع اثرات ہیں اور مورو مسلمانوں کی نوجوان نسل اس تحریک کی بدولت اسلام اور جہاد کی زندگی اختیار کرتی جارہی ہے۔

تھائی:

یہ تھائی لینڈ کی زبان ہے۔ تھائی لینڈ کو سیام بھی کہتے ہیں۔ تھائی زبان میں

قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، پردہ، اسلام عہد حاضر میں، اسلام کا نظام حیات، رسالہ دینیات، جہاد فی سبیل اللہ، مسلمان طلبا کا کردار، اسلام کا نظریہ سیاسی، اسلام کا اخلاقی سر ط اور سورۂ نور کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

تھائی لینڈ کی سرکاری زبان تھائی ہے۔ یہ تعلیمی اداروں میں بھی لازمی زبان کی حیثیت رکھتی ہے۔ جنوبی تھائی لینڈ (جسے پٹانی کہتے ہیں) میں تھائی کے ساتھ ساتھ ملائی زبان کا استعمال بھی ہے۔

وہاں دو ہی بڑے مذہب ہیں۔ بدھ اور اسلام۔ بدھ مذہب کے علمبرداروں کی تعداد ۵ کروڑ ۲۱ لاکھ ۲۰ ہزار ہے اور مسلمانوں کی تعداد ۲۰ لاکھ ۸۰ ہزار۔ ان مسلمانوں کی اکثریت جنوبی تھائی لینڈ میں رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنوبی تھائی لینڈ کے اندر پٹانی کی آزادی کی تحریک چل رہی ہے۔

تھائی لینڈ کے دارالحکومت بنکاک میں متعدد اسلامی ادارے دین کی اشاعت کر رہے ہیں۔ تفہیم القرآن کو بھی تھائی زبان میں منتقل کرنے کا منصوبہ بن چکا ہے۔

ویت نامی زبان:

ویت نام میں اکثریت بدھ مذہب کے ماننے والوں کی ہے۔ (۳ کروڑ ۵۲ لاکھ ۹۰ ہزار) ان کے بعد لا مذہب لوگوں کی تعداد ہے (ا کروڑ ۱۸ لاکھ)۔ رومن کیتھولک ۴۴ لاکھ ۷۰ ہزار ہیں۔ ا کروڑ ۲۲ لاکھ دیگر مذاہب کے لوگ ہیں جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ ویت نامی زبان کو سرکاری حیثیت حاصل ہے۔ خمر اور چینی بولنے والوں کی تعداد بھی خاصی ہے۔ خمر بولنے والے ۸ لاکھ ۷۰ ہزار اور چینی بولنے والے ۱۰ لاکھ ۶۰ ہزار ہیں۔

یہ قوم امریکی جارحیت کے بعد اب روسی ر اج کا شکار چلی آرہی ہے۔

ویت نامی زبان میں رسالہ دینیات کا ترجمہ چھپ چکا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ، اسلام کا نظام حیات اور تحریک اور کارکن زیر ترجمہ ہیں۔ بہی الخولی کتاب "اسلام اور جدید عورت" بھی اس زبان میں چھپ چکی ہے۔

خمر (KHMER): کمپوچیا کی زبان

کمپوچیا میں اکثریت بدھ مذہب کے پیروکاروں کی ہے۔ یہاں تین بڑی زبانیں رائج ہیں۔ سب سے زیادہ خمر زبان بولنے والوں کی ہے (تقریباً سات لاکھ افراد) اس کے بعد چینی اور ویتنامی زبانیں بولنے والے ہیں۔ مسلمانوں کی تعداد ۲ لاکھ کے قریب ہے۔ وہ ماضی کے اندر بڑے ظلم و ستم سہتے رہتے ہیں۔ اب انہیں کچھ مذہبی آزادی ملی ہے۔ رسالہ دینیات اور محمد بن عبدالوہابؒ کی کتاب اصول ثلاثہ اور قرآن کریم کے پارہ عم کا ترجمہ خمر میں چھپ چکا ہے۔ کمپوچیا میں اسلام کی اشاعت کے لیے اس وقت نہایت سازگار حالات ہیں۔

ٹامل: سری لنکا کی زبان

ٹامل جنوبی ہند کی زبان ہے اور سری لنکا کے ہندو اور مسلمان بھی ٹامل بولتے ہیں۔ سری لنکا میں اکثریت بدھ مت کے ماننے والوں کی ہے جو سنہالی زبان بولتے ہیں۔ اور سنہالی زبان ہی سرکاری زبان ہے۔ دوسرے درجے پر ٹامل ہے۔ مسلمانوں کی تعداد ساڑھے بارہ لاکھ ہے۔ اور یہ کل آبادی کا ۶، ۷ فی صد ہیں۔

سری لنکا میں جماعت اسلامی کئی سالوں سے قائم ہے۔ اس نے ٹامل زبان میں متعدد کتابوں کے ترجمے کیے ہیں۔ جنوبی ہند کے تراجم بھی وہاں پھیل رہے ہیں۔ جماعت اسلامی سری لنکا کی طرف سے ایک ہفتہ روزہ بھی نکل رہا ہے۔ سیرت کا پیغام،

اسلام عصر حاضر میں، اسلام کا نظام حیات، رسالہ دینیات، جہاد فی سبیل اللہ، مسلمان طلبہ کا کردار افسو کی طرف سے چھاپے گئے ہیں۔

سنہالی: سری لنکا کی سرکاری زبان

یہ سری لنکا کی سرکاری اور سب سے بڑی زبان ہے۔ اس میں رسالہ دینیات، اسلام کا نظام حیات اور ہدایات کے علاوہ متعدد کتابوں کا ترجمہ ہو چکا ہے تفہیم القرآن کے بعض حصے بھی سنہالی زبان میں منتقل کئے گئے ہیں۔ یہ کام بھی جماعت اسلامی سری لنکا کے زیر اہتمام ہو رہا ہے۔ کئی بدھ جماعت کا لٹریچر پڑھ کر مسلمان ہو گئے ہیں۔

یورپ کی زبانیں

انگریزی:

تحریکی لٹریچر کو انگریزی میں منتقل کرنے کا کام قیام جماعت کے آغاز ہی میں ہو گیا تھا جیسا کہ جماعت اسلامی کی ابتدائی روددادوں سے واضح ہوتا ہے۔ تقسیم کے بعد اس میں مزید اضافہ ہوا۔ ساٹھ کے عشرے سے اس کام کی ذمہ داری ادارہ معارف اسلامی کراچی نے سنبھال لی۔ اشاعت و تقسیم کا کام پہلے مکتبہ جماعت اسلامی کرتا رہا، پھر اس کے جانشین اسلامک پبلی کیشنز نے اس خدمت کا بیڑا اٹھا لیا۔ اسلامک پبلی کیشنز کی رپورٹیں دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ تحریک اسلامی کا انگریزی لٹریچر خدا کے فضل و کرم سے دنیا کے کونے کونے تک پہنچ رہا ہے۔

تقریباً ۱۵۔۲۰ سال سے اس کام کو زیادہ بہتر طور پر سر انجام دینے کے لیے اسلامک فاؤنڈیشن یو کے اس میدان میں اترا ہوا ہے۔ اس ادارے نے مولانا

مودودی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر تحریکی رہنماؤں کی جن کتابوں کو تیار کیا اور چھاپا ہے وہ زبان و بیان اور طباعت و تزئین کے لحاظ سے انگریزی دانوں کے ذوق کو خوب تسکین دیتی ہیں۔

عربی کی طرح انگریزی زبان کا دائرہ بھی وسیع الاطراف ہے۔ عربی لٹریچر اگر مسلم اور عرب معاشروں کے اندر اسلامی زندگی کا صور پھونک رہا ہے تو انگریزی لٹریچر غیر مسلم دنیا کے لیے مشعل ہدایت اور آب حیات فراہم کر رہا ہے۔

مولانا مودودی کی متعدد اہم کتابیں انگریزی میں ترجمہ ہو چکی ہیں تفہیم القرآن کا انگریزی ترجمہ مکمل ہو چکا ہے اور اکثر و بیشتر چھپ چکا ہے یہ ترجمہ کمال عزیز صاحب نے کیا ہے۔ اس کا ایک اور نفیس ترجمہ پاکستان کے نامور فاضل دوست اسلامک ریسرچ سنٹر (عالمی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد) کے ڈائرکٹر جناب ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری کر رہے ہیں۔ پہلی جلد ترجمہ ہو کر آگئی ہے جو دل کو مسحور اور آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے۔

انگریزی زبان میں اسلام کے نظام حیات پر مختلف اہل علم و تحقیق کی طرف سے کثرت سے نگارشیں وجود میں آ رہی ہیں جن سے عالمی اسلامی تحریک کو بے حد تقویت مل رہی ہے۔

فرانسیسی:

فرانس میں ۲۰ لاکھ مسلمان بستے ہیں وہ اس امر کے محتاج ہیں کہ اپنے دین اور اس کے تقاضوں سے پوری طرح آگاہ ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دین سے مسلسل غفلت انہیں سراسر کافر تہذیب کا جزو بنا کر رکھ دے۔ عرب نوجوانوں نے دوسرے ممالک کے نوجوانوں کے ساتھ مل کر "فرانس مسلم اسٹوڈنٹ یونین" قائم کر رکھی ہے۔ اس کی

تمام تگ و دو کا مدار اسلامی لٹریچر پر ہے۔ اور بھی فرانس کے مختلف شہروں میں اسلامی مراکز اور اسلامی شخصیتیں ہیں ـــــ نسلی مسلمانوں میں سے بھی اور نو مسلموں میں سے بھی جو اسلام کی آواز بلند کئے ہوئے ہیں۔ یہ بات عام ہے کہ فرانس میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے۔ مولانا مودودی رحمہ اللہ کی متعدد کتب فرنچ میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ یہ فرانس کے لیے بھی ہیں اور ان تمام ممالک کے لیے بھی جہاں فرانسیسی بولی جاتی ہے مثلاً ماریشس، مڈغاسکر، رینیون اور مغربی افریقہ میں سینی گال، مالی اور نائیجر وغیرہ۔ ان کتابوں میں سیرت کا پیغام، رسالہ دینیات، اسلام کا نظام حیات، جہاد فی سبیل اللہ اور مسلمان طلبہ کا کردار خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ دیگر مفکرین کی بھی بہت سی کتابیں ترجمہ ہو چکی ہیں۔

ڈاکٹر حمید اللہ۔ جو پیرس میں رہ رہے ہیں اسلام پر کئی کتابیں لکھ چکے ہیں۔ انہوں نے قرآن کریم کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ ان کی کتاب انٹروڈکشن ٹو اسلام فرانسیسی زبان میں اسلام کا عام فہم تعارف کے لیے قابل قدر کوشش ہے۔

فرانس میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً ۲۰ لاکھ ہے۔ یہ وہ مسلمان ہیں جو فرانسیسی استعمار کے دور میں تونس، الجزائر، مراکش، موریطانیہ اور دیگر فرانسیسی مستعمرات سے یہاں آئے تھے۔ ان میں اکثریت شمالی افریقہ کے عربوں کی ہے۔ فرانس کے اصل باشندوں میں بھی اسلام کی اشاعت ہو رہی ہے۔ اور راجے گارودی جیسے نامور اشتراکی مفکر بھی اسلام کے دامن میں آچکے ہیں۔

جرمن:

جرمنی میں تین قسموں کے مسلمان ہیں۔ ترک جو ملازمتوں اور کاروبار کے لیے جرمنی میں رہ رہے ہیں۔ عرب باشندے اور جرمن نو مسلم۔ ان کی مجموعی تعداد مغربی جرمنی میں ۱۴

لاکھ ۶۰ ہزار ہے۔ میونخ، ہمبرگ، برلن، سٹوٹگارڈ اور آخن وغیرہ میں اسلامی مراکز و مساجد قائم ہیں۔ آخن میں بلال سنٹر کے نام سے ایک قابل لحاظ تحریکی ادارہ کام کر رہا ہے جس کے نگراں ہمارے پرانے فاضل دوست استاذ عصام العطاء (شامی) ہیں۔ موصوف ۱۹۶۵ء سے وہاں رہ رہے ہیں۔ الرائد کے نام سے عربی میں ایک ماہنامہ بھی نکالتے ہیں۔ پانچ سال پہلے ان کی اہلیہ کو (جو استاذ علی الطنطاوی کی صاحب زادی تھیں) شام کی خفیہ پولیس کے لوگوں نے شہید کر دیا تھا۔ جرمنی جس طرح کے تہذیبی و معاشرتی مسائل سے دو چار ہے۔ اگر وہاں اسلامی لٹریچر کثرت سے پھیلایا جائے تو یہ آوارگی اور مادی نظریات کی پسی ہوئی قوم جلد اسلام کی آغوش میں آسکتی ہے۔ اسلامک فاؤنڈیشن لیسٹر کی زیر نگرانی نومسلم جرمن احمد وان ڈنفر بھی وہاں دعوت و تبلیغ کے ساتھ ترجمہ کا کام کر رہا ہے۔ جرمن زبان میں رسالہ دینیات، اسلام کا نظام حیات، مسلمان طلبہ کا کردار اور جہاد فی سبیل اللہ چھپ چکے ہیں۔ سید قطبؒ کی نامور تالیف "جادہ و منزل" اور محمد قطبؒ کی اسلام اور جدید ذہن کے شبہات بھی جرمن زبان میں آگئی ہیں۔

اطالوی: اٹلی کی زبان

میلان میں اطالوی زبان میں اسلامی لٹریچر کے ترجمے کا کام ہو رہا ہے۔ خود روم میں، جہاں کیتھولک چرچ کی اسٹیٹ ویٹی کن موجود ہے مسلم نوجوانوں کی تنظیم یہ کام کر رہی ہے۔ (۱۹۸۲ء میں خاکسار نے ان نوجوانوں سے ملاقات کی تھی۔ انہیں بڑا فعال اور پر عزم پایا)۔ اس وقت تک رسالہ دینیات اور اسلام کا نظام حیات اطالوی زبان میں چھپ چکے ہیں۔ اسلام کا روشن مستقبل (سید قطبؒ) اور اسلام اور جدید ذہن کے شبہات (محمد قطبؒ) بھی چھپ چکی ہیں۔

اسپین کی زبان:

اسپین مسلمانوں کی فردوس گم گشتہ ہے۔ اس کا اسلامی نام اندلس ہے۔ پچھلے دس بارہ سالوں سے وہاں مسلمانوں کو سانس لینے کی سہولت ملی ہے۔ غرناطہ، قرطبہ، میڈرڈ (قدیم عربی نام مجریط) اشبیلیہ اور ماربلا میں بیرونی مسلمانوں نے بھی اور اسپین کے نومسلموں نے بھی اسلامی ادارے قائم کرلیے۔ ایک اچھے شامی فاضل نوجوان شیخ ملا حویش غرناطہ میں اسلامی دعوت و تربیت کا کام بڑے سلیقے سے کر رہے ہیں۔

رسالہ دینیات اور اسلام کا نظام حیات ہسپانوی زبان میں چھپ چکے ہیں۔ سید قطبؒ کی ہذا الدین اور جادہ و منزل، ڈاکٹر عبدالکریم زیدان کی فرد اور ریاست اور ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی "اسلام میں حلال و حرام" بھی چھپ چکی ہیں۔ رومن کیتھولک یہاں کا سب سے بڑا مذہب ہے۔ اور یہ وہ واحد ملک ہے جہاں عیسائیوں میں ابھی تک شدید تعصب پایا جاتا ہے۔

پرتگالی:

اسپین کے ساتھ ملک پرتگال ملتا ہے۔ باہر سے آئے ہوئے مسلمانوں کی ایک تعداد یہاں رہتی ہے۔ علی الخصوص موزمبیق جو افریقہ میں پرتگال کی نوآبادی رہا ہے۔ پرتگال کے اصل باشندوں کے اندر بھی اسلام کی تبلیغ ہو رہی ہے۔ پرتگالی زبان میں بھی رسالہ دینیات اور اسلام کا نظام حیات ترجمہ ہو چکے ہیں۔

عبدالمجید زندانی کی مشہور کتاب "شاہراہ ایمان" بھی اس زبان میں ترجمہ ہو گئی ہے۔

اسپین کی طرح یہاں بھی رومن کیتھولک کو غالب اکثریت حاصل ہے۔

ڈنمارک کی زبان:

ڈینش میں رسالہ دینیات اور دیگر چند کتابچوں کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ ڈنمارک میں مقامی آبادی میں بھی اسلام پھیل رہا ہے۔ کئی خاندان حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں۔ خاکسار نے ۱۹۸۷ء میں کوپن ہیگن میں ان میں سے بیس پچیس افراد سے ملاقات بھی کی تھی۔ ان کی اسلام سے شدید وابستگی دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ ان کی قابل ذکر شخصیت عبدالرحمان بوگاء ہیں جو کئی سال پہلے کینیا میں اسیوط میں اسلامک فاونڈیشن سے وابستہ تھے۔ یہ اچھے مترجم اور خطیب ہیں۔ "تنظیم اسلامی" کے نام سے پاکستان کے تحریکی رفقاء نے بھی ایک ادارہ قائم کر رکھا ہے مگر ان کی تمام تر تگ و دو پاکستان، ہندوستان کے لوگوں کے اندر ہے، وہاں یہ کام بھی بہت ضروری ہے۔ ڈنمارک میں ترکی بولنے والے بھی کافی رہتے ہیں بلکہ ڈینش کے بعد سب سے زیادہ تعداد ترکی بولنے والوں کی ہے۔ ان کی مجموعی تعداد ۲۳ ہزار ہے۔ یہ لوگ ترکی تراجم سے استفادہ کرتے ہیں۔

ناروے کی زبان:

یہاں سب سے اچھا کام اوسلو کا اسلامک کلچرل سنٹر کر رہا ہے۔ اس کے کارپرداز ہمارے پاکستانی تحریکی رفقاء ہیں۔ رسالہ دینیات کا نارویجین میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اِفسو کی طرف سے حمودہ عبدالعاطی کی کتاب "تعارف اسلام" بھی ترجمہ کی گئی ہے۔ ناروے میں قومی زبان کے علاوہ انگلش، ڈینش اور سویڈش بولنے والے بھی ہیں۔

سویڈن کی زبان:

یہاں ترک اور یوگوسلاویہ کے کچھ مسلمان آباد ہیں۔ ہندو پاک سے بھی لوگ ملازمتوں

اور کاروبار کے لیے وہاں پہنچے ہوئے ہیں۔ مالمو (MALMO) شہر میں رابطہ عالم اسلامی کے زیر اہتمام ایک بہت عمدہ اسلامی مرکز قائم ہو چکا ہے۔ نیز سویڈن کے ایک اور شہر گوتھے برگ میں مسلمان خواتین نے مسلم وومن ایسوسی ایشن قائم کر رکھی ہے جو وہاں تبلیغ اسلام کے ساتھ ساتھ مسلمان بچوں کی تعلیم و تربیت کا کام بھی کر رہی ہے۔ اسلامی لٹریچر کی وہاں شدید ضرورت ہے۔

رسالہ دینیات، مسلم طلبہ کا کردار، جہاد فی سبیل اللہ کا سویڈش ترجمہ چھپ چکا ہے۔ اسلام کا نظام حیات ترجمہ ہو چکا ہے۔ دیگر متعدد اہل علم کی کتابیں بھی اس زبان میں آ چکی ہیں۔

فنش: فن لینڈ کی زبان

فن لینڈ سکنڈے نیویا کا ایک ملک ہے۔ یہاں مقامی اور بیرونی مسلمانوں کی تعداد بھی رہتی ہے۔ فنش میں مولانا مودودیؒ کی اہم کتاب رسالہ دینیات کے علاوہ سید قطبؒ کی کتاب ہذا الدین، امام نوویؒ کی چہل حدیث اور ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب انٹروڈکشن ٹو اسلام چھپ چکی ہیں۔

ڈچ:

یہ ہالینڈ کی زبان ہے۔ یہ قوم انڈونیشیا پر بھی حکومت کرتی رہی ہے۔ اب وہاں اسلام کی اشاعت کے لیے بڑے سازگار حالات پائے جاتے ہیں۔
رسالہ دینیات ڈچ زبان میں چھپ چکا ہے۔ نائیجیریا کی نامور مسلم خاتون عائشہ لیمو کی کتاب "نظریۂ ارتقاء پر تنقید" محمد قطب کی کتاب "اسلام اور جدید ذہن کے شبہات" اور حمودہ عبدالعاطی کی کتاب "اسلام کا تعارف" بھی چھپ چکی ہیں۔

البانیہ کی زبان:

البانیہ غالب اکثریت کے لحاظ سے ایک مسلمان ملک تھا اور خلافت عثمانیہ میں شامل تھا، مگر جب سلطنت عثمانیہ کی چولیں ڈھیلی ہونا شروع ہوئیں تو البانیہ نے خلافت سے اپنی وابستگی ختم کر لی۔ یہاں کمیونسٹ تحریک نے زور پکڑا اور مسلمانوں کے سر پر ایک لادین کمیونسٹ حکومت مسلط ہو گئی۔ انور خوجہ اس کا سربراہ تھا جو خود تو مر چکا ہے مگر اس کے جانشین ابھی تک اس کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ رسالہ دینیات کا البانوی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ البانیہ میں مسلمان ۷۰ فی صد ہیں۔ البانوی زبان میں اسلامی لٹریچر البانیہ کے اندر بھی جا رہا ہے اور البانیہ سے باہر رہنے والے مہاجروں میں بھی پھیل رہا ہے۔

یوگوسلاویہ کی زبان:

یہاں مسلمانوں کے قدیم ادارے زمانہ کی چیرہ دستیوں اور اشتراکیت کی تباہ کاریوں کے باوجود کچھ نہ کچھ موجود ہیں۔ خاص طور پر سرویا کے علاقے میں، ہمارے دوست احمد اسماعیل نے بتایا ہے کہ مولانا مودودی رحمہ اللہ کی متعدد کتابیں یوگوسلاویہ کے نوجوان ترجمہ کر کے پھیلا رہے ہیں۔ اسلامی لٹریچر کی کھلم کھلا اشاعت کی تو اجازت نہیں ہے، پھر بھی ایک حد کے اندر یہ لٹریچر نوجوانوں کی غیر معمولی تشنگی بجھانے کا کام دے رہا ہے۔ رسالہ دینیات کئی بار یوگوسلاویہ کی زبان میں چھپ چکا ہے۔ سید قطبؒ، محمد قطب، ڈاکٹر حمید اللہ اور امام حسن البناؒ کی چند کتابیں بھی اس زبان میں چھپ چکی ہیں۔ یوگوسلاویہ میں مسلمانوں کی تعداد ۲۴ لاکھ ۵۰ ہزار ہے جو مجموعی آبادی کا ۱۰،۴ فی صد ہیں۔

ہنگری کی زبان

بوڈاپسٹ میں چند نوجوان اسلامی لٹریچر کو ہنگرین میں منتقل کرنے کا کام سرانجام دے رہے ہیں۔ رسالہ دینیات کا ترجمہ ہنگرین میں ہو چکا ہے اور عنقریب اسے طباعت کے لیے دے دیا جائے گا۔ اسلام کا نظام حیات' جہاد فی سبیل اللہ اور مسلم طلبہ کا کردار زیر ترجمہ ہیں۔ امام نوویؒ کی اربعین چھپ چکی ہے۔ وہاں ۲ فی صد آبادی مسلمان ہے۔ اب وہاں جمہوری دور کا آغاز ہوا ہے اور امید ہے کہ اسلام کی اشاعت میں قابلِ لحاظ پیش رفت ہو گی۔

روسی زبان

روس[1] میں ہمارے حساب کی رو سے دس کروڑ مسلمان بستے ہیں (روس کے مفتی تاتار سات کروڑ مسلمانوں کی آبادی بتاتے ہیں) یہ مسلمان اپنے اسلامی ماضی اور دینی و تہذیبی ورثے سے منقطع ہو چکے ہیں۔ اس صدی کی پہلی چوتھائی میں جب وسط ایشیا پر روسی کمیونسٹوں نے قبضہ کر لیا تو دوسری دور رس تبدیلیوں کے ساتھ مسلمانوں کا رسم الخط (جو عربی حروف میں تھا) بدل کر لاطینی کر دیا[2]۔ اور اسے اس زور سے نافذ کیا کہ مسلمانوں کی نئی نسل اپنے قدیم ورثے سے جو عربی رسم الخط میں تھا بیگانہ ہو کر رہ گئی۔ اور لاطینی رسم الخط میں اسے پڑھنے کے لیے جو

[1] روس سے فاضل مصنف کی مراد سوویت یونین ہے جو ڈیڑھ درجن سے زائد مملکتوں پر مشتمل تھا، ہر مملکت "سوویت جمہوریت" کہلاتی تھی۔ اس میں چھ مسلم جمہوریتیں قزاقستان، ازبکستان، تاجکستان، ترکی نستان، آذربائجان اور کرغیزیہ شامل تھیں۔ روس سوویت یونین کی سب سے بڑی جمہوریہ تھی۔ اب سوویت یونین بکھر چکا ہے اور اس میں شامل تمام جمہوریتیں آزاد مملکتیں بن چکی ہیں، موجودہ روس خود کئی چھوٹی بڑی مملکتوں کا وفاق ہے۔ [2] اب اگرچہ مسلم مملکتیں آزاد ہیں۔ عوام عربی رسم الخط کی واپسی کے خواہش مند بھی ہیں لیکن اس کی طرف کوئی پیش رفت نہیں ہو سکی[3]۔
(پ۔ ر)

لٹریچر ملا وہ سراسر الحاد اور فلسفہ اشتراکیت پر مبنی تھا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے دین سے کس حد تک ناآشنا ہو گئے، مگر حکمت خداوندی کا عجب کرشمہ ہے کہ یہی نسل جو نہ قرآن پڑھنے کی سہولت پا سکی اور نہ جسے اسلامی لٹریچر پڑھنے کو ملا، اسلام کی محبت میں غرق ہو چکی ہے اور کمیونزم کے شکنجے سے نکل کر اسلام کے دامن میں لوٹ آنے کے لیے بے تاب ہے[3]۔

تحریک اسلامی ان کی ضرورت کو سمجھتی ہے۔ چناں چہ روسی زبان میں تحریکی لٹریچر کے تراجم شروع ہو چکے ہیں۔ رسالہ دینیات، سلامتی کا راستہ، سرورِ عالمؐ اور چند دیگر پمفلٹ روسی زبان میں چھپ چکے ہیں۔ اسی طرح روسی زبان میں تفہیم القرآن میں سے انتیسواں اور تیسواں پارہ اور سورۂ البقرہ اور سورۂ آل عمران اور سورۂ المائدہ بھی چھپ چکے ہیں اور بقیہ حصے بھی تیزی سے ترجمہ ہو رہے ہیں۔ یہ تمام لٹریچر بڑی تعداد میں روس کے اندر جا رہا ہے۔ ان روسیوں تک بھی یہ کتابیں پہنچی ہیں جو افغانستان کے اندر رہ رہے تھے۔ اب روسی مسلمان جرات کے ساتھ اسلامی لٹریچر مانگتے اور پڑھتے ہیں۔ دارالعروبہ کے پاس براہ راست روسی نوجوان خطوط لکھ کر ان کتابوں کو اور دیگر اسلامی کتب کو طلب کرتے ہیں۔

[3] سوویت یونین کی دوسری جمہوریتوں کی طرح مسلم جمہوریتیں بھی آزاد اور خود مختار مملکتوں میں تبدیل ہو چکی ہیں مگر المیہ یہ ہے کہ ان سب کی باگ ڈور یا تو سابق کمیونسٹوں کے ہاتھوں میں ہے یا مغرب پرستوں کے ہاتھوں میں۔ سوویت یونین کی ٹوٹ پھوٹ کے عمل کے دوران ہی امریکہ، روس اور مغربی ملکوں کی کوشش رہی کہ آزادی کے بعد مسلم جمہوریتوں کی قیادت اسلام پسندوں کے ہاتھوں میں نہ دیا جائے۔ تاجکستان میں عوام نے یہ کوشش کی بھی تو اسے روس کا زیر تسلط متحدہ فوج کے ذریعے کچل دیا گیا۔ تاہم اسلام کے تعلق سے پہلے کے مقابلہ میں حالات کافی بدل چکے ہیں اور مسلم مملکتوں کے اندر اسلامی تعلیم و تہذیب پر عمل کی آزادی ہے۔ (پ۔ ر)

چند سال پہلے کی بات ہے کہ ماسکو کی لومبا یونیورسٹی سے ایک نوجوان نے مولانا مودودی رحمہ اللہ کو خط لکھ کر ایسی کتاب طلب کی تھی جس میں آخرت کے وقوع کے دلائل دیے گئے ہوں. چناں چہ اس نوجوان کو مولانا مودودیؒ کی طرف سے ایک کتابچہ "زندگی بعد موت" بھیجا گیا. اسے پڑھ کر اس نوجوان نے مولانا کو خط لکھا اور بتایا کہ :

"آپ نے مجھے ایسی چیز بھیج دی ہے جو روس کے میزائلوں کے لیے اینٹی میزائلوں سے بھی زیادہ طاقت ور ہے۔"

اس طرح کے اینٹی میزائل اب روس میں پے در پے جا رہے ہیں جو روس میں اشتراکیت کی گرتی ہوئی دیوار کے لیے ایک آخری دھکا ہوں گے اور پھر وہاں اسلام ہی انسانیت کے لیے نجات دہندہ بن کر ابھرے گا۔[1]

چینی زبان

اس زبان میں زیادہ تر کام فارموسا (قوم پرست چین) میں ہوا ہے۔ وہاں

---

[1] سوویت یونین کے انتشار سے پہلے بہت سے دانشوروں کا خیال تھا کہ اشتراکیت کے غیر فطری نظام کے خاتمہ کے بعد وہاں کے عوام کے اندر اسلامی نظام حیات کو سمجھنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔ یہ خیال اس بنیاد پر تھا کہ امریکہ کی قیادت میں مغرب کا سرمایہ دارانہ طرز زندگی مشرقی یورپ والوں کے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس قسم کے کسی امکان کو روکنے کے لیے مغرب کی پیش بندی اس قدر مضبوط تھی کہ دوسری جمہوریتیں تو درکنار خود مسلم جمہوریتوں کے اندر بھی اسلام کو اجتماعی زندگی سے دور رکھنا ممکن ہو گیا۔ تاہم اب وہاں مغرب کی چکا چوند ماند پڑ رہی ہے اور عوام پھر متبادل کی تلاش میں نظر آتے ہیں۔ جہاں تک مسلم جمہوریتوں کا تعلق ہے، وہاں تبدیلی اسی صورت میں ہو سکے گی جب اسلام کے حوالے سے عالمی سطح پر حالات بدلیں گے۔ (س ۔ ر)

کی مسلم ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام ہماری چند کتابوں خصوصاً رسالہ دینیات، اسلام کا نظام حیات، جہاد فی سبیل اللہ اور مسلمان طلبہ کا کردار کے تراجم ہوئے ہیں۔ اس کام کا سہرا فارموسا کے جناب احمد داؤد کے سر ہے۔ اب یہ تراجم عوامی جمہوریہ چین کے اندر بھی آہستہ آہستہ پھیل رہے ہیں۔ عوامی چین کے بہت سے علاقے ایسے ہیں جہاں چینی الاصل مسلمان بستے ہیں۔ یہ لوگ دین میں پڑے پختہ ہیں۔ اور الحاد و دہریت کے طوفان میں بھی اپنے راستے سے سرمو نہیں منحرف ہوئے۔

چین میں زبانوں کی تعداد شمار سے باہر ہے۔ ان زبانوں میں سے منداریں (MANDARIN) چین کی سرکاری زبان ہے۔ اسلامی لٹریچر کے ترجمے اسی زبان میں ہو رہے ہیں۔ مولانا مودودیؒ کی کتابوں کے علاوہ سید قطبؒ کی اسلام کا روشن مستقبل، محمد قطبؒ کی اسلام اور جدید ذہن کے شبہات، مولانا ابوالحسن علی ندوی کی مسلمانوں کا عروج و زوال، امام نوویؒ کی چہل حدیث اور فضل اللہ ابوبکر کی دین حق، مطالب قرآن، رہنمائے مسلم، ایمان کی بنیاد سورۂ فاتحہ اور معجزہ قرآن بھی چینی زبان میں چھپ چکی ہیں۔ اب چین کے اندر ایسے مسلمان نوجوان پیدا ہو چکے ہیں جو عربی اور انگریزی سے اسلامی لٹریچر کو چینی زبان میں منتقل کر رہے ہیں۔

اویغوری زبان :

یہ مشرقی ترکستان (سنکیانگ) کے باشندوں کی زبان ہے۔ ترکی سے ملتی جلتی ہے اس کا رسم الخط عربی ہے۔ اس میں اب ہماری کتابوں کے ترجموں کا آغاز ہوا ہے۔ مشرقی ترکستان اس وقت عوامی چین کا ایک صوبہ ہے۔ جو چار بڑے حصوں پر مشتمل ہے۔ کاشغر، اورومچی، ختن اور قرہ قلق۔ اورومچی اس کا صدر مقام ہے۔ تمام آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ تاریخ میں یہ علاقہ مسلمانوں کی آزاد مملکت رہا ہے۔ چین

کے بدلتے ہوئے حالات کی بنا پر اس علاقے میں بھی مذہبی آزادی کسی حد تک بحال ہوئی ہے۔ اویغوری زبان کا رسم الخط عربی ہے جسے چینی حکمرانوں کے مظالم کے باوجود ترکستانی مسلمانوں نے سینے سے لگائے رکھا ہے اب اسی رسم الخط میں اسلامی لٹریچر کے ترجمے کا آغاز ہو چکا ہے۔ سلامتی کا راستہ چھپ چکا ہے۔ خطبات زیر طبع ہے۔ مشرقی ترکستان کے نوجوان جنہوں نے عربی زبان پر عبور حاصل کر لیا ہے تراجم کا کام سرانجام دے رہے ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا کے مطابق پورے چین میں ۲ کروڑ ۱۲ لاکھ مسلمان ہیں۔ اور یہ پوری آبادی کا ۴، ۲ فی صد ہیں۔

تبتی:

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ تبت کے باشندوں کی زبان ہے۔ یہ باشندے بالعموم بدھ مت کے پیرو ہیں۔ مسلمانوں کی ایک تعداد بھی بستی ہے۔ مسلمانوں کے اندر نوجوانوں نے اسلامی تحریک کی داغ بیل ڈال رکھی ہے۔ رسالہ دینیات کا ترجمہ ہو رہا ہے۔ شیخ محمد محمود صواف کی کتاب تعلیم الصلاۃ چھپ چکی ہے۔

فجین (FIJIAN) : فجی آئی لینڈ کی زبان

فجی کی سرکاری زبان انگریزی ہے۔ دوسری مقامی زبان فجین ہے۔ ہندی بولنے والے بھی موجود ہیں۔ سب سے بڑا مذہب عیسائیت ہے۔ اس کے بعد ہندو مت ہے اور تیسرے درجے پر اسلام ہے۔ تحریک اسلامی کا انگریزی لٹریچر فجی میں پہنچ چکا ہے۔ رسالۂ دینیات کا فجین میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اسلام کا نظام حیات اور مسلمان طلبہ کا کردار زیر ترجمہ ہے۔

مولانا خلیل احمد حامدی (پ ۱۹۲۹ء) کی شخصیت پاک و ہند کے دین پسند حلقوں کے لیے محتاجِ تعارف نہیں۔ موصوف اسلامی دنیا میں تحریکِ اقامتِ دین کے دردمند داعی اور صاحبِ بصیرت قائد کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔

مولانا خلیل احمد حامدی قصبہ حامد ضلع فیروز پور (پنجاب) میں پیدا ہوئے، حفظِ قرآن مجید اور ابتدائی تعلیم حامد ہی میں حاصل کی۔ ۱۹۴۵ء میں جامعہ عظمتیہ کرنال سے درسِ نظامی کی تکمیل کی اور ۱۹۵۲ء میں اورینٹل کالج لاہور سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ زمانۂ طالب علمی ہی سے تحریکِ اسلامی سے وابستہ ہوئے اور ۱۹۴۹ء میں باضابطہ رکن ہو گئے۔

۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۲ء تک لاہور کے ایک ہائی اسکول میں استاذ رہے اور ۱۹۵۵ء میں جماعت کے عربی ادارے "دارالعروبہ" میں بلا لیے گئے، مولانا مسعود عالم ندویؒ اور مولانا محمد عاصم الحدادؒ کے بعد ۱۹۶۳ء سے دارالعروبہ کی مستقل نظامت کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہیں۔ عربی ماہ نامہ "المنصورہ" کے ایڈیٹر، ادارہ معارف اسلامی لاہور کے ڈائریکٹر، اسلامک ایجوکیشن سوسائٹی لاہور کے چیرمین اور بیرونِ ملک کے کئی علمی و تحقیقی اداروں کے ممبر ہیں۔

مولانا خلیل احمد حامدی اپنی گوناگوں اور ہمہ جہتی مصروفیات کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کی بھی خدمات انجام دیتے رہتے ہیں۔ اب تک اردو میں ان کے قلم سے درج ذیل کتابیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔

عالمِ اسلام اور اس کے افکار و مسائل، ترکی قدیم و جدید، سرخ اندھیروں میں، جہادِ اسلامی، اخوان المسلمون — تاریخ اور دعوت، آفاق دعوت، بوسنیا — جغرافیہ، تاریخ اور داستان جہاد، حج تیاری سے واپسی تک اور تحریک اسلامی کے عالمی اثرات — درج ذیل کتابیں عربی سے اردو میں منتقل کی ہیں:

جادہ و منزل، حسن البنا کی ڈائری، اسرائیل کی تعمیر میں اشتراکی کردار، نظامِ اسلامی مشاہیر کی نظر میں، اذکارِ مسنونہ، رودادِ قفس، جدید نظریات کی ناکامی اور بدیع الزماں نورسیؒ۔ ان کے علاوہ ایک درجن کتابیں عربی میں تالیف فرمائی ہیں اور کم و بیش اتنی ہی کتابوں کی ترتیب و تدوین کا فریضہ انجام دیا ہے۔